ماہنامہ

اشراق

لاہور

جنوری ۲۰۱۶ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

”...خدا نے یہ دنیا غایت و حکمت کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اِس کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ اپنے انجام کو پہنچے اور اِس میں جو کچھ ہوا ہے، خدا کی عدالت انصاف کے ساتھ اُس کا فیصلہ سنا دے۔ یہ کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ لوگ اِس میں جو چاہے، کرتے پھریں اور اُن سے کوئی بازپرس نہ ہو۔“

— قرآنیات

المورد

فہرست

اس شمارے میں

اس شمارے میں	نعیم احمد	۴

قرآنیات

البیان: الحجر ۱۵: ۷۸-۹۹ (۴)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

زبان کے فتنے سے اندیشے کے بارے میں روایات	امین احسن اصلاحی	۱۱
مرحومہ ماں کی طرف سے صدقہ	معز امجد / شاہد رضا	۱۴

سیر و سوانح

حضرت ابوفکیہہ یسار رضی اللہ عنہ	محمد وسیم اختر مفتی	۱۸

مقالات

معروف و منکر	امام حمید الدین فراہی / امین احسن اصلاحی	۲۱
معرفت حق اور اس کے تقاضے	امین احسن اصلاحی	۲۴

نقطۂ نظر

دیت و قصاص کے قانون کی اصل روح	ڈاکٹر خالد ظہیر / رانا معظم صفدر	۳۷

یسئلون

سنت خلفاے راشدین	امین احسن اصلاحی	۴۱

ادبیات

غزل	جاوید احمد غامدی	۴۹

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

''قرآنیات'' میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شائع کیا گیا ہے۔ یہ قسط سورۂ حجر (۱۵) کی آیات ۸۷-۹۹ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ ان آیات میں رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کا تذکرہ اور ان کا انجام بیان ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ اگر تمھاری قوم کے لوگوں نے بھی ان قوموں ہی کی تقلید کی تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا۔ کفار کے مقابلے میں کامیابی آپ کا مقدر ہوگی۔

''معارف نبوی'' میں مولانا امین احسن اصلاحی کے مضمون میں زبان کے فتنے سے اندیشے کے بارے میں موطا امام مالک کی چند روایات شامل اشاعت ہیں۔ اسی کے تحت شاہد رضا صاحب کے مضمون میں مرحومہ ماں کی طرف سے صدقہ کرنے کے ثواب کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ معز امجد صاحب کے ایک انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے۔

''سیر وسوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوفکیہہ یسار رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام اس کے نتیجے میں کفار کی طرف سے ان پر ڈھائے گئے مظالم اور ان کے حالات زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔

''مقالات'' میں مولانا حمید الدین فراہی صاحب نے اپنے مضمون ''معروف ومنکر'' میں بیان کیا ہے کہ معروف وہ ہے جسے عرب نے معروف مانا ہو اور منکر وہ ہے جسے انھوں نے منکر قرار دیا ہو۔ اسی کے تحت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی ایک تقریر ''معرفت حق اور اس کے تقاضے'' شائع کی گئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اپنے اندر صبر اور عزیمت پیدا کرنے کے لیے حق کا علم اور اس کی معرفت حاصل کیجیے۔ اسی حق اور صبر پر حقیقت میں زندگی کا دوام ہے۔

''نقطۂ نظر'' کے تحت ڈاکٹر خالد ظہیر صاحب نے اپنے مضمون ''دیت وقصاص کے قانون کی اصل روح'' میں اس قانون کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔

''یسئلون'' میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے سنت کو معلوم کرنے کے ذرائع میں خلفاے راشدین کے تعامل کی وضاحت کی ہے۔

''ادبیات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحجر

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا

(اِسی طرح) بن والے[91] بھی یقیناً ظالم تھے[92]۔ سو ہم نے اُن سے بھی انتقام لیا۔ یہ دونوں بستیاں[93] کھلی شاہ راہ پر واقع ہیں۔ اور حجر والے بھی رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں[94]۔ ہم نے اُن کو اپنی نشانیاں دیں، مگر وہ

۹۱؎ اِس سے قوم شعیب مراد ہے۔ پچھلی سورتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ شعیب علیہ السلام مدین والوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اِس بستی کے قریب ایک بہت بڑا بن تھا۔ عربی زبان میں جھاڑی اور بن کے لیے 'اَیْکَۃ' کا لفظ آتا ہے۔ یہاں چونکہ مخاطبین کو عذاب الٰہی کے اُن زمینی نشانات کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جنھیں وہ اپنے تجارتی سفروں میں دیکھتے تھے، اِس لیے قوم شعیب کا ذکر 'اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ آگے قوم ثمود کو 'اَصْحٰبُ الْحِجْرِ' کہا گیا ہے۔ اُس کی وجہ بھی یہی ہے۔

۹۲؎ یعنی 'ظالمین أنفسهم' (اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے)۔ یہ کفر و شرک اور صراط مستقیم سے انحراف کے لیے قرآن کی خاص تعبیر ہے۔

۹۳؎ یعنی قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں۔

عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ کَانُوۡا یَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ مُصۡبِحِیۡنَ ﴿۸۳﴾ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸۴﴾

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِیۡلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ

اُن سے منہ پھیرتے رہے۔ وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے کہ اُن میں چین سے رہیں۔[95] پھر اُن کو صبح ہوتے ہماری ڈانٹ[96] نے آپکڑا تو اُن کے کچھ کام نہ آیا جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔ ۸۱-۸۴

ہم[97] نے، (اے پیغمبر)، زمین اور آسمانوں کو اور اُن کے درمیان سب چیزوں کو مقصد کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے۔[98] اِس میں کچھ شک نہیں کہ قیامت آنے والی ہے۔ اِس لیے اِن کے ساتھ خوبی سے درگذر

۹۴ 'حجر' شمالی عرب اور شام کے درمیانی علاقے کو کہتے ہیں۔ یہ قوم ثمود کا مسکن تھا۔ صالح علیہ السلام کی بعثت اِسی علاقے کے اندر ہوئی۔ اُس وقت جو شہر یہاں آباد تھا، اُس کے کھنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں موجودہ شہر العلاء سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اِس قوم کی طرف ایک ہی رسول کی بعثت ہوئی تھی، مگر کوئی رسول بھی یہ دعوت اُن کے سامنے پیش کرتا، اُس کے ساتھ اُن کا معاملہ وہی ہوتا جو صالح علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ قرآن نے اِسی بنا پر لفظ 'مُرۡسَلِیۡن' جمع استعمال کیا ہے۔ اِس سے جرم کی سنگینی اور شدت ظاہر ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے جب ایک رسول کو جھٹلایا تو گویا سب کو جھٹلا دیا۔

۹۵ مطلب یہ ہے کہ کمال فن سے بنائے ہوئے نہایت شان دار اور مستحکم مکانات میں اپنی جگہ بالکل بے خوف اور مطمئن بیٹھے تھے اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اُن کے یہی مستحکم اور شان دار مکانات کسی وقت اُن کی قبروں میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

۹۶ یہ لفظ کیوں استعمال ہوا ہے؟ اِس کی وجہ پیچھے قوم لوط کے ذکر میں بیان ہو چکی ہے۔

۹۷ یہاں سے آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین و تسلی کے لیے خطاب التفات ہے۔ یہ خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ انذار عام اور اتمام حجت کی سورتوں کا خاتمہ بالعموم اِسی مضمون پر ہوتا ہے۔

۹۸ یہ آگے کی بات کے لیے تمہید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے یہ دنیا غایت و حکمت کے ساتھ پیدا کی ہے۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ ﴿۸۷﴾ لَاتَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ
اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡهِمۡ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۸﴾ وَ قُلۡ

کرو۔[99] یقیناً تمھارا پروردگار ہی سب کو پیدا کرنے والا اور بڑے علم والا ہے[100]۔ ہم نے تم کو سات مثانی، یعنی قرآن عظیم عطا کر دیا ہے[101]۔ تم اُن چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے اِن کے مختلف گروہوں کو دے رکھی ہیں اور اِن کی حالت پر غم نہ کرو۔ تم اپنے شفقت کے بازو اہل ایمان پر جھکائے

اِس کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ اپنے انجام کو پہنچے اور اِس میں جو کچھ ہوا ہے، خدا کی عدالت انصاف کے ساتھ اُس کا فیصلہ سنا دے۔ یہ کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ لوگ اِس میں جو چاہے، کرتے پھریں اور اُن سے کوئی باز پرس نہ ہو۔

۹۹ اِس سے کیا مراد ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...خوبصورتی کے ساتھ درگذر کا مطلب یہ ہے کہ نہ ان کی شرارتوں سے بددل اور مایوس ہو، نہ ان کی بے ہودہ باتوں کا جواب دو اور نہ اپنے فرض دعوت و تبلیغ سے دست کش ہو، بلکہ اپنے کام میں لگے رہو اور ان کے معاملے کو اللہ پر چھوڑو۔'' (تدبرقرآن ۴/ ۳۷۶)

۱۰۰ اوپر فرمایا ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ یہ اُس کی دلیل ہے کہ خدا خالق ہے تو پھر کیا مشکل ہے، وہ جب چاہے، اِسی طرح دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔ یہ دوسری پیدایش اگر احتساب کے لیے ہے تو اِس میں بھی کچھ مشکل نہیں، اِس لیے کہ وہ علیم بھی ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اُس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ جب فیصلہ کر لے گا کہ تمھیں جواب دہی کے لیے بلانا ہے تو تمھارا سب کچا چٹھا نکال کر تمھارے سامنے رکھ دے گا۔

۱۰۱ یعنی قرآن جیسی دولت گراں مایہ اور نعمت عظمیٰ عطا کر دی ہے جو سات مثانی کا مجموعہ ہے۔ لفظ 'مَثَانِیۡ' 'مثنٰی' کی جمع ہے اور اِس کے معنی ہیں: وہ چیز جو دو دو کر کے ہو۔ آیت میں حرف 'مِنۡ' اضافت کو ظاہر کر رہا ہے اور حرف 'وٗ' تفسیر کے لیے ہے۔ چنانچہ سات مثانی سے ہمارے نزدیک قرآن میں سورتوں کے وہ مجموعے مراد ہیں جن کی ہر سورہ مضمون کے لحاظ سے اپنا ایک جوڑا اور مثنیٰ رکھتی ہے اور دونوں میں اُسی طرح کی مناسبت ہے، جس طرح کی مناسبت زوجین میں ہوتی ہے۔ اِس سے مستثنیٰ چند سورتیں ہیں جن میں سے فاتحہ پورے قرآن کے لیے بمنزلۂ دیباچہ اور باقی تتمہ و تکملہ یا خاتمۂ باب کے طور پر آئی ہیں۔ یہ مجموعے تعداد میں سات ہیں۔ اِنھیں ہم قرآن

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۸۹﴾ کَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَی الۡمُقۡتَسِمِیۡنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِیۡنَ جَعَلُوا
الۡقُرۡاٰنَ عِضِیۡنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّکَ لَنَسۡـَٔلَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾
فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ ﴿۹۵﴾
الَّذِیۡنَ یَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ
یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَکُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۹۸﴾

رکھو اور (نہ ماننے والوں سے) کہہ دو کہ میں ایک کھلا ہوا خبردار کرنے والا ہوں۔ ہم نے اِسی طرح اُن بانٹ دینے والوں پر بھی اتارا تھا جنھوں نے اپنے اُس قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے[102]۔ سو تیرے پروردگار کی قسم، ہم اُن سب سے ضرور پوچھیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ (یہ اِسی لیے اب تم پر اتارا گیا ہے) تو، (اے پیغمبر)، تمھیں جو حکم ملا ہے، اُس کو کھول کر سنا دو اور اِن مشرکوں سے اعراض کرو۔ تمھاری طرف سے ہم اِن مذاق اڑانے والوں (سے نمٹنے) کے لیے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو بھی شریک قرار دیتے ہیں۔ سو وہ عنقریب جان لیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں، اُس سے تمھارا دل تنگ ہوتا ہے۔ سو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو اور سجدہ

کے ابواب بھی کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کی تمام سورتیں آپس میں توام بنا کر اور اِنھی ابواب کی صورت میں مرتب کی گئی ہیں*۔

قرآن کے بارے میں یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس ارشاد سے بھی واضح ہوتی ہے جس میں آپ نے سورۂ فاتحہ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم قرار دیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...سورۂ فاتحہ کی حیثیت پورے قرآن کے دیباچہ کی ہے اور اِس میں وہ تمام مطالب بالاجمال سمٹ آئے ہیں جو پورے قرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ گویا اِس نگینے کے اندر قرآن عظیم کا پورا شہرستان معانی بند ہے۔ اِس پہلو سے یہ سبع مثانی بھی ہے اور قرآن عظیم بھی۔“ (تدبر قرآن ۴/۳۷۸)

۱۰۲؎ یہ اشارہ یہود کی طرف ہے جنھوں نے اپنے قرآن، یعنی تورات کو حصوں میں بانٹ دیا، پھر بعض کو چھپایا

---

*اِس کی تفصیل کے لیے دیکھیے، اِسی کتاب کا ”مقدمہ“۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ ﴿۹۹﴾

کرنے والوں میں سے بنو اور اُس کی بندگی میں لگے رہو، یہاں تک کہ تمھارے پاس یقین کی گھڑی آ پہنچے[۱۰۳]۔ ۸۵-۹۹

اور بعض کو ظاہر کیا۔ یہ وہی فعل ہے جسے سورۂ انعام (۶) کی آیت ۹۱ میں 'تَجۡعَلُوۡنَہٗ قَرَاطِیۡسَ' (جس کو ورق ورق کرکے اُنھیں دکھاتے ہو) سے تعبیر فرمایا ہے۔

۱۰۳؎ یعنی خدا کا فیصلہ صادر ہو جائے اور ہر وہ بات واقعہ بن جائے جس کی تم لوگوں کو خبر دے رہے ہو۔

کوالالمپور

۲۲/ اگست ۲۰۱۲ء

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امین احسن اصلاحی
ترتیب وتدوین: خالد مسعود۔سعید احمد

زبان کے فتنے سے اندیشے کے بارے میں روایات

(مَا جَاءَ فِيمَا يُخَافُ مِنَ اللِّسَانِ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ وَقَاهُ اللّٰهُ شَرَّ اثْنَيْنِ وَلِجَ الْجَنَّةَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَلَا تُخْبِرُنَا؟ فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ الْأُولٰى فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: أَلَا تُخْبِرُنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ أَيْضًا، فَقَالَ الرَّجُلُ: أَلَا تُخْبِرُنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ أَيْضًا، ثُمَّ ذَهَبَ الرَّجُلُ يَقُولُ مِثْلَ مَقَالَتِهِ الْأُولٰى فَأَسْكَتَهُ رَجُلٌ إِلٰى جَنْبِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: مَنْ وَقَاهُ اللّٰهُ شَرَّ اثْنَيْنِ وَلِجَ الْجَنَّةَ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ

رِجۡلَیۡهِ مَا بَیۡنَ لَحۡیَیۡهِ وَمَا بَیۡنَ رِجۡلَیۡهِ.

''عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے شر سے محفوظ رکھا، وہ جنت میں جائے گا۔ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ وہ کیا ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر آپ نے وہی بات فرمائی جو پہلے فرمائی تھی۔ اس شخص نے پھر کہا کہ حضور کیا آپ ہم کو بتائیں گے نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے۔ آپ نے پھر وہی پہلے والی بات دہرائی۔ اس شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ہمیں بتائیں گے نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات فرمائی۔ وہ شخص بھی اپنی پہلی بات دہرانے لگا تو اس شخص کے قریب کے آدمی نے اس کو خاموش کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے شر سے محفوظ رکھا، وہ جنت میں جائے گا۔ ایک وہ چیز جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے اور دوسری وہ جو اس کے دو پاؤں کے درمیان ہے۔ وہ جو دو جبڑوں کے درمیان ہے اور وہ جو دو پاؤں کے درمیان ہے۔ وہ جو دو جبڑوں کے درمیان ہے اور وہ جو دو پاؤں کے درمیان ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وضاحت

یہ بڑی اہم روایت ہے۔ ایک تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تعلیم معلوم ہوتا ہے اور دوسرے بڑی ہی حکمت کی بات ہے۔ آں حضرت کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ بغیر لوگوں کو پوری طرح متوجہ کیے کوئی اہم بات انڈیل دیں۔ آپ لوگوں کو پوری طرح متوجہ کر کے اور یہ دیکھ کر کہ ان حضرات میں کتنی طلب ہے، ارشاد فرمایا کرتے۔ یہ نہیں کہ طلب نہ ہو اور آپ ٹھونسے چلے جائیں جیسا کہ ہم لوگ کرتے ہیں۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ میرے استاذ مولانا فراہی کا طریقہ یہ تھا کہ وہ از خود کوئی بات نہیں بتاتے تھے جب تک پوچھنے والے میں اتنی طلب نہ ہوتی کہ وہ جرح کرتے کرتے ان کو وہاں تک پہنچا دیتا جہاں تک سوال کرتے کرتے پہنچا جا سکتا ہو۔

جبڑوں اور پاؤں کے درمیان کی دو چیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان اور شرم گاہ کو مراد لیا اور ان پر

پہرہ لگانے والے کو جنت کی بشارت دی۔ واقعہ یہ ہے کہ معاشرتی زندگی میں بہت بڑے فتنے انھی چیزوں کے غلط استعمال سے پھوٹتے ہیں۔

حَدَّثَنِی مَالِكٌ عَنْ زَیْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِیهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلٰی أَبِی بَكْرٍ الصِّدِّیقِ وَ هُوَ یَجْبِذُ لِسَانَهُ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَهْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ، فَقَالَ اَبُوبَكْرٍ: إِنَّ هٰذَا اَوْرَدَنِی الْمَوَارِدَ.

’’زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا نہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ معلوم نہیں اس چیز نے مجھے کن کن گھاٹوں پر پہنچایا۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وضاحت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ اپنی زبان اس لیے مروڑ رہے ہیں کہ کہیں اس سے غلطی ہو گئی ہو گی، تو کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کر دیں گے۔ اب زبان کو سزا دینا موقوف کر دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا کہ اس زبان کی لغزشوں نے معلوم نہیں کن کن گھاٹیوں میں مجھے گرایا ہے۔ ابھی پیچھے یہ روایت گزری ہے کہ ایک کلمہ زبان سے ایسا نکل جاتا ہے جس کے اجر و ثواب کی حد نہیں ہوتی۔ اور کبھی آدمی کوئی بات ایسی کر دیتا ہے جس کی ہلاکتوں کا اسے اندازہ نہیں ہوتا۔

(تدبر حدیث ۵۰۸-۵۱۰)

معز امجد
ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

مرحومہ ماں کی طرف سے صدقہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ أُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوْصِ وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ.

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ، بے شک، میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے اور (اپنی وفات سے پہلے) انھوں نے کوئی وصیت بھی نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ (اپنی وصیت کے متعلق) بات کر پاتیں تو وہ کچھ نہ کچھ ضرور صدقہ کرتیں[1]۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا انھیں اس کا ثواب ملے گا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ہاں (ملے گا)[2]۔

حواشی کی توضیح

۱۔ بالبداہت واضح ہے کہ اس معاملے میں واضح قرائن موجود ہیں کہ اگر اس خاتون کو اپنی وفات سے پہلے موقع ملتا تو وہ اپنی دولت کا بعض حصہ بطور صدقہ ضرور دیتی۔

۲۔قرآن مجید کے مطابق آخرت میں جزاوسزا کا بنیادی اصول 'لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی'* (انسان کو (آخرت میں) وہی ملے گا جو اس نے (دنیا میں) کمایا ہے) کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔مزید برآں، چونکہ اس دنیوی زندگی میں ہم صرف اچھائی اور برائی کے معاملے میں اپنے ارادوں پر عمل کے بجاے صرف ارادوں پر اختیار رکھتے ہیں، اس لیے آخرت میں ہمارے ارادے اور کوششیں ہی ہیں جو ثمر بار ہوں گی۔ان اصول کی روشنی میں اب ہم روایت میں مذکور واقعے کا جائزہ لیتے ہیں:

چونکہ بہ ظاہر تو خاتون نے اپنے مال میں سے بعض صدقہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر اپنی وفات کے باعث ایسا کرنے سے قاصر رہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے بیٹے کو اس کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس کے بیٹے کو فرمایا کہ یہ صدقہ اگرچہ اس نے کیا ہے، مگر اس خاتون کو اس کا اجر ملے گا۔ یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ آدمی صرف اپنے اعمال کے نتیجے میں اجر کا مستحق ٹھیرے گا۔ تاہم جن معاملات میں آدمی عمل صالح کا ارادہ تو کرتا ہے، مگر اس کے حالات اس کے ارادوں کی تکمیل کی اجازت نہیں دیتے، تو وہ عمل صالح کے ارادے کی بنا پر ہی اپنے عمل کا اجر پائے گا۔ اس صورت میں اگر کوئی دوسرا شخص اس کے اچھے عمل کے ارادے پر عمل پیرا ہوتا ہے تو یہ عمل اس کے ارادے اور نیت کے سبب سے اس کے لیے سود مند ثابت ہوگا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متون

یہ روایت بعض اختلافات کے ساتھ بخاری، رقم ۱۳۲۲، ۲۶۰۹؛ مسلم، رقم ۱۰۰۴، ۱۰۰۴ب، ۱۰۰۴ج، ۱۰۰۴د، ۱۰۰۴ہ؛ ابوداؤد، رقم ۲۸۸۱؛ نسائی، رقم ۳۶۵۴؛ ابن ماجہ، رقم ۲۷۱۷؛ احمد، رقم ۲۴۲۹۶؛ ابن حبان، رقم ۳۳۵۳؛ بیہقی، رقم ۶۸۹۵، ۲۲۴۰۹، ۱۲۴۱۰؛ موطا امام مالک، رقم ۱۴۵۱؛ مسند ابو یعلیٰ، رقم ۲۵۱۵، ۴۴۳۴؛ مسند حمیدی، رقم ۲۴۳؛ ابن خزیمہ، رقم ۲۴۹۹؛ عبدالرزاق، رقم ۱۶۳۴۳؛ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۴۷۶ اور ابن ابی شیبہ، رقم ۱۲۰۷۷ میں روایت کی گئی ہے۔

بعض روایات، مثلاً بیہقی، رقم ۶۸۹۵ میں 'ولم توص' (اور اس نے وصیت نہیں کی) کے الفاظ محذوف ہیں۔

بعض روایات، مثلاً بخاری، رقم ۲۶۰۹ میں 'وأظنها' (اور میرا خیال ہے) کے الفاظ کے بجاے 'وأراها' (میری رائے ہے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً عبدالرزاق، رقم ۱۶۳۴۳ میں یہ الفاظ 'وقد علمت'

*النجم ۵۳: ۳۹۔

(اور میں جانتا ہوں) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابن خزیمہ، رقم ۲۴۹۹ میں 'لو تکلمت تصدقت' (اگر وہ (اپنی وصیت کے متعلق) بات کر پاتیں تو وہ کچھ نہ کچھ ضرور صدقہ کرتیں) کے الفاظ کے بجاے 'لو تکلمت أوصت بصدقة' (اگر وہ بات کر پاتیں تو صدقہ کی وصیت کرتیں) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۲۳۰۰۴ میں 'أفلها أجر إن تصدقت عنها' (اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا انھیں اس کا ثواب ملے گا؟) کے الفاظ کے بجاے 'فلی أجر أن أتصدق عنها' (اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا؟) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بخاری، رقم ۱۳۲۲ میں ان کے مترادف الفاظ 'فهل لها أجر إن تصدقت عنها' (اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا انھیں اس کا ثواب ملے گا؟) روایت کیے گئے ہیں؛ بیہقی، رقم ۱۲۴۰۹ میں ان کے مترادف الفاظ 'فهل لها أجر فی أن أتصدق عنها' (اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا انھیں اس کا ثواب ملے گا؟) روایت کیے گئے ہیں؛ بخاری، رقم ۲۶۰۹ میں ان الفاظ کے بجاے 'أفأتصدق عنها' (کیا مجھے ان کی طرف سے صدقہ کرنا چاہیے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۷۱۷ میں یہ الفاظ 'فلها أجر إن تصدقت عنها ولی أجر؟' (اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا انھیں اور مجھے اس کا ثواب ملے گا؟) روایت کیے گئے ہیں؛ مسند حمیدی، رقم ۲۴۳ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'فهل لها من أجر إن تصدقت عنها' (اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا انھیں اس کا ثواب ملے گا؟) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً بخاری، رقم ۲۶۰۹ میں لفظ 'نعم' (ہاں) کے بجاے 'نعم، تصدق عنها' (ہاں، ان کی طرف سے صدقہ کردو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

ابوداؤد، رقم ۲۸۸۱ میں یہ واقعہ قدرے مختلف الفاظ میں روایت کیا گیا ہے:

عن عائشة أن امرأة قالت: يا رسول الله، إن أمي افتلتت نفسها ولولا ذلك لتصدقت وأعطت. أفيجزء أن أتصدق عنها؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: نعم، فتصدقي	''حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ، بے شک، میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ضرور صدقہ کرتیں اور اپنا مال دیتیں۔ اگر میں ان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عنها.

کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا یہ ان کے لیے کافی ہوگا؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، ان کی طرف سے صدقہ کردو۔''

مسلم، رقم ۱۶۳۰ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ درج ذیل مختلف الفاظ میں روایت کیا گیا ہے:

روی أن رجلاً قال للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن أبی مات وترك مالاً ولم یوص فهل یکفر عنه أن أتصدق عنه؟ قال: نعم.

''روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: (یارسول اللہ)، بے شک، میرا باپ فوت ہوگیا ہے اور مال بھی چھوڑا ہے، مگر وصیت نہیں کی ہے۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا یہ ان کی طرف سے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ہاں۔''

بعض اختلافات کے ساتھ یہ روایت نسائی، رقم ۳۶۵۲؛ ابن ماجہ، رقم ۲۷۱۶؛ احمد، رقم ۸۸۲۸؛ بیہقی، رقم ۱۲۴۱۴؛ ابویعلیٰ، رقم ۶۴۹۴ اور ابن خزیمہ، رقم ۲۴۹۸ میں بھی روایت کی گئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت ابوفکیہہ یسار رضی اللہ عنہ

حضرت یسار (یا افلح بن یسار) اپنے نام کے بجاے اپنی کنیت ابوفکیہہ سے مشہور ہوئے۔ان کا تعلق بنو ازد سے تھا،لیکن قبیلۂ بنوعبدالدار کی غلامی میں آ گئے۔وہ کٹر مشرک صفوان بن امیہ جمحی کے غلام بھی رہے۔

حضرت ابوفکیہہ کا شمار 'السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* میں ہوتا ہے۔مکہ کی گھاٹیوں میں آفتاب اسلام طلوع ہوا ہی تھا کہ ایمان کی سعادت حاصل کر لی۔حضرت ابوفکیہہ اور سیدنا بلال (بلال رضی اللہ عنہما) نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔حضرت ابوفکیہہ ان مستضعفین میں شامل تھے جو قریش کی ایذاؤں کا خصوصی نشانہ بنے، پھر بھی ان کے پاے استقلال میں لغزش نہ آئی۔سخت گرمیوں میں دوپہر کے وقت جب سورج آگ برسا رہا ہوتا، بنوعبدالدار کے لوگ انھیں ننگے بدن، پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال کر تپتے ہوئے کنکروں پر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان کی کمر پر بھاری پتھر رکھ دیتے۔شدت تکلیف سے ان کا ذہن ماؤف ہو جاتا، منہ ڈھیلا ہو جاتا اور زبان باہر نکل آتی۔وہ یہ سختیاں کتنی ہی دیر سہتے رہے، کیونکہ غلام ہونے کی وجہ سے کوئی انھیں چھڑانے والا نہ تھا۔ایک بار امیہ بن خلف نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور گھسیٹتے ہوئے جلتی ریت پر ڈال دیا۔ایک سیاہ فام پاس سے گزرا تو امیہ نے پوچھا: یہ تمھارا رب نہیں؟ حضرت ابوفکیہہ نے جواب دیا: اللہ میرا رب ہے جس نے مجھے، تمھیں اور اس سیاہ فام کو پیدا کیا۔امیہ کو غصہ آ گیا، وہ زور سے حضرت ابوفکیہہ کا گلا گھونٹنے لگا۔اس کا بھائی ابی بن خلف بھی ساتھ تھا،اس نے کہا: اسے اور بھینچو، حتیٰ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آ جائے اور اپنے جادو سے اس کو چھڑا لے۔دونوں

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

حضرت ابوفکیہہ کو اس وقت تک ایذائیں دیتے رہے جب تک انھیں مرا ہوا نہ سمجھ لیا۔ اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے، انھوں نے حضرت ابوفکیہہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تشریف لاتے تو حضرت خباب، حضرت عمار، حضرت ابوفکیہہ اور حضرت صہیب جیسے مسکین مسلمان آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتے۔ قریش کے متمردین ٹھٹھا کرتے اور کہتے: دیکھو، یہ ہیں محمد کے ساتھی، یہی ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ نے ہدایت وحق کے لیے ہمارے بیچ میں سے چن لیا ہے۔ اگر اس دعوت میں کوئی بھلائی ہوتی تو ہمارے بجائے یہ لوگ اس کی طرف سبقت نہ کرتے۔ ان نام نہاد سرداروں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب سے رجوع بھی کیا کہ اگر آپ کا بھتیجا ہمارے غلاموں اور خدمت گاروں کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دے تو ہوسکتا ہے کہ ہمارے دل اس کی طرف مائل ہو جائیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ، وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ.
(الانعام ۶: ۵۲-۵۳)

''(اے نبی)، ان لوگوں کو نہ دھتکاریے جو اپنے رب کی خوشنودی چاہنے کے لیے صبح و شام اسے پکارتے ہیں۔ ان کے حساب کتاب میں سے آپ پر کچھ عائد نہیں ہوتا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے حساب کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ انھیں دھتکار کر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں۔ اسی طرح ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعے سے آزمایا ہے تاکہ کہیں کہ ہمارے بیچ یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے انعام کر دیا ہے؟ کیا اللہ شکر کرنے والوں کا خوب علم نہیں رکھتا؟''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت عکرمہ نے حضرت ابوفکیہہ اور دوسرے مستضعفین کا استہزا کرنے والے قریش کے سرداروں کے نام یہ بتائے ہیں: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، حرث بن نوفل، قرظہ بن عبد عمرو اور مطعم بن عدی۔ اس واقعے میں حضرت خباب کا ذکر آیا ہے، وہ بھی مستضعف مسلمانوں میں شامل تھے، لیکن جو روایت انھوں نے بیان کی، ذرا مختلف ہے۔ بتاتے ہیں کہ ایک بار (مدینہ میں) بنوتمیم کے سردار اقرع بن حابس اور بنوفزارہ کے لیڈر عیینہ بن حصن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے تو دیکھا کہ آپ غریب اہل ایمان، حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خباب کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے ان مساکین کو نظر حقارت سے دیکھا اور آپ کو الگ لے جا کر

کہا: ''ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے ایسی مجلس ترتیب دیں جس سے عربوں کو ہماری فضیلت کا احساس ہو۔ آپ کے پاس عربوں کے وفد آرہے ہیں، ہمیں شرم آتی ہے کہ عرب ہم کو ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔ ہم آئیں تو آپ ان کے پاس سے اٹھ جائیں اور جب ہم فارغ ہو جائیں تو آپ چاہیں تو ان کے پاس بیٹھ جائیں۔'' حضرت خباب کہتے ہیں کہ سورۂ انعام کی یہ آیات اس موقع پر نازل ہوئیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ روایت غریب ہے، کیونکہ اقرع اور عیینہ ایک مدت کے بعد مدینہ میں ایمان لائے، جبکہ یہ ارشاد ربانی مکہ میں نازل ہو چکا تھا۔ انھی آیات کے بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا کہنا ہے: یہ ہم چھ مسلمانوں کے باب میں نازل ہوئیں، مشرکوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیں، یہ ہمارے مقابلے میں نہ آنے پائیں۔ حضرت سعد نے ان میں سے تین کے ناموں کی صراحت کر دی ہے: خود حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت بلال۔ ایک کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بنو ہذیل سے تعلق رکھتا تھا اور دو کے بارے میں کہہ دیا کہ میں ان کا نام نہ لوں گا (مسلم، رقم ۶۲۴۰)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ابن سعد، ابن اثیر اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ حضرت ابوفکیہہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ابن جوزی نے مہاجرین حبشہ کی ایک سو سات افراد کی جو فہرست مرتب کی، اس میں حضرت ابوفکیہہ کا نام شامل ہے، تاہم ابن ہشام اور طبری کی بیان کردہ تراسی عازمین حبشہ کی فہرست میں ان کا نام نہیں ملتا۔ حضرت ابوفکیہہ حبشہ سے کب لوٹے اور ان کی بقیہ زندگی کیسی گزری؟ ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے ہمیں کہیں سے مدد نہ مل سکی۔

حضرت ابوفکیہہ کی وفات جنگ بدر سے پہلے ہی ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلامی میں ان کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں، حالاں کہ وہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والے اور اللہ کی راہ میں آزمایشیں برداشت کرنے والے عظیم مسلمان تھے۔

مطالعۂ مزید: السیرة النبویة (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، جامع البیان عن تأویل آی القرآن (طبری)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (ابن عبدالبر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابة فی معرفة الصحابة (ابن اثیر)، البدایة والنہایة (ابن کثیر)، الاصابة فی تمییز الصحابة (ابن حجر)۔

امام حمید الدین فراہی

ترجمہ: امین احسن اصلاحی

معروف و منکر

معروف وہ ہے جس کو عرب نے معروف مانا ہو اور منکر وہ ہے جس کو انھوں نے منکر قرار دیا ہو۔ اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں ایسے جنگلی نہیں تھے کہ خیر و شر میں ان کو کوئی امتیاز ہی نہ ہو۔ یونانیوں اور ہندوستانیوں کے روشن ترین دور میں ان قوموں کے ادب کا جو حال تھا، اہل عرب کا ادب اخلاقی اعتبار سے ان سے بھی بدر جہا اونچا تھا۔ جن لوگوں نے ان کی تاریخ بگاڑی ہے، اگر ان کی مہملات سے قطع نظر کر کے تم ان کے کلام پر نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ ان کا اخلاقی معیار کتنا بلند تھا۔ ان کے ہاں اخلاق کی جو اہمیت تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امرء القیس باوجودیکہ ایک بادشاہ تھا، لیکن چونکہ اس کی شاعری میں رندی اور ہوس ناکی کا پہلو نمایاں تھا، اس وجہ سے وہ الملک الضلیل (آوارہ مزاج بادشاہ) کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں ایک ضمیمہ[1] میں ان کے کلام سے کچھ نمونے پیش کریں، تاکہ واضح ہو سکے کہ ان کے ہاں وہی چیزیں معروف میں داخل تھیں جو مکارم اخلاق میں شمار ہوتی ہیں اور قرآن نے ان کے سامنے جو چیزیں پیش کیں، وہ ان کے معروف کی تکمیل کرنے والی تھیں، نہ کہ اس کو ہدم کرنے والی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اندر جو صالح طبیعتیں تھیں، ان کو قرآن نے بہت جلدی اپنی طرف جذب کر لیا۔ صرف ان لوگوں نے اس کی مخالفت کی جو شریر تھے یا جن کو اپنی مذہبی یا سیاسی پیشوائی کے چھن جانے کا اندیشہ تھا۔ ٹھیک اس طرح جس طرح علماے یہود نے ضد اور حسد کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی۔ امیہ بن ابی صلت وغیرہ کے

---

[1] یہ ضمیمہ مولانا یہاں نہ درج کر سکے، لیکن اپنی دوسری تالیفات خصوصاً ''جمہرۃ البلاغۃ'' میں انھوں نے اس سے تعرض کیا ہے (مترجم)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متعلق کون نہیں جانتا کہ یہ دین حنیفی کے معتقد تھے، لیکن محض بر بنائے حسد ان لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ نبی کی روح بیدار خود بھی معروف و منکر کی شناخت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ جن چیزوں کے بارہ میں وحی کی رہنمائی موجود نہیں ہوتی، ان میں وہ اپنے الہام سے امت کو کوئی حکم اس وقت تک کے لیے دیتا ہے جب تک وحی نہ آجائے، اور یہ کام اس کے منصب کا ایک قدرتی جز ہوتا ہے۔ نیز اس کو خدا کی طرف سے امر بالمعروف کا حکم ہوتا ہے اور امت کو یہ ہدایت ہے کہ وہ معروف میں سے جن باتوں کا حکم دے، ان میں اس کی پیروی کرے۔ ان کے علاوہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں پچھلی آسمانی شریعتوں کی بہت سی بچی کھچی باتیں باقی رہ گئی تھیں۔ مثلاً دین حنیفی کی تعلیمات میں سے حج، قربانی اور نماز کے کچھ بقایا موجود تھے، نیز اہل کتاب کے طریقے موجود تھے۔[۲] آپ نے وقتی طور پر ان میں سے بھی بعض باتیں اختیار کیں اور وحی الٰہی کے آجانے کے بعد چھوڑ دیں۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع شروع میں جزئیات احکام کا حکم نہیں ہوا، بلکہ صرف معروف کا حکم ہوا، مثلاً نماز، ذکر الٰہی، صدقہ، یتیم پر شفقت اور اس قسم کے دوسرے مکارم اخلاق۔ پھر جب کسی چیز کے بارہ میں تفصیل نازل ہوگئی تو اس میں اللہ کی تعلیم اصل بن گئی اور معروف کا لحاظ ختم ہوگیا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کسی امر کے بارہ میں معروف کا حکم ہوا۔ پھر اس کے متعلق توضیح نازل ہوئی تو جس حصہ سے متعلق توضیح نازل ہوئی اس میں تو معروف منسوخ ہوگیا اور جس بارہ میں توضیح نازل نہیں ہوئی، اس میں معروف کا حکم بدستور باقی رہا۔ مثلاً مرنے والے کی وصیت والدین کے لیے منسوخ ہوگئی اور جن اقربا کو وراثت میں کوئی حق نہیں ملا ہے، ان کے لیے باقی رہ گئی۔

اصل یہ ہے کہ جن جزئیات تک انسان کی عام عقل اور فطری صلاحیت خود بخود پہنچ سکتی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر نہیں لادا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو تقویٰ اور نیکی کی جو صلاحیت خود ہمارے اندر موجود ہے، وہ مردہ ہو جاتی۔ چنانچہ اس طرح کے معاملات میں اس نے ہماری عقل پر معروف کو چھوڑ دیا جیسا کہ بہت سی آیتوں میں دیکھتے ہو..... اور یہ معروف کو باقی رکھ کر اور لوگوں کو اس کے اختیار کرنے کی دعوت دے کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک کے

۲۔ سر سید احمد کا یہ خیال غلط ہے کہ عربوں نے تمام مذہبی باتیں یہود سے اخذ کیں اور اسلام نے بھی اکثر احکام یہود ہی سے لیے اور دین حنیفی کے آثار میں سے صرف توحید، ڈاڑھی اور ختنہ باقی رہ گئے تھے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قانون اور اس کے اچھے رسوم کی عزت بڑھائی ہے اور یہ اس امر کی صاف شہادت ہے کہ اسلام نے انقلاب اور تخریب کے بجاے اصلاح اور تکمیل کی راہ اختیار کی ہے۔ اس نے سابقہ ادیان کی بالا جمال تصدیق کی اور ان میں جو زیادتیاں شامل ہوگئی تھیں، ان کو خارج کر کے لوگوں کو ان کی قدیم شاہ راہ اور اس فطری ہدایت پر پہنچا دیا جو آدم کے وقت سے موجود تھی۔

(مجموعہ تفاسیر فراہی ۵۶-۵۸)

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امین احسن اصلاحی

معرفت حق اور اس کے تقاضے

[یہ تقریر انجمن خدام القرآن لاہور کی ایک تربیت گاہ کے افتتاحی اجلاس میں کی گئی جو ۱۳؍ اگست ۱۹۷۲ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

خطبہ مسنونہ کے بعد:

بھائیو، میں سب سے پہلے اس حقیقت کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اس اجتماع میں برکت دینے کے لیے نہیں، بلکہ برکت لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میری حاضری کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ میں اپنے مخدوم اور محترم دوست مولانا عبدالغفار حسن صاحب کے درس سے کچھ برکت حاصل کروں۔ برکت حاصل کرنا، میں نے اس لیے عرض کیا ہے کہ میں اب استفادہ کے قابل تو رہا نہیں صرف برکت ہی حاصل کر سکتا ہوں۔ مولانا سے مجھے صرف محبت ہی نہیں ہے، بلکہ بلا شائبۂ تکلف عرض کرتا ہوں کہ مجھے ان سے عقیدت بھی ہے۔ دراں حالیکہ عقیدت کے معاملے میں بہت فیاض آدمی نہیں ہوں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ مجھے ان سے محبت ہی نہیں، بلکہ عقیدت بھی ہے اور میں آپ لوگوں کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ آپ کو ان کے درس سے اور ان کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کا موقع ملے گا۔

میری حاضری کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ آپ کی صحبت اور آپ کی معیت کا تھوڑا بہت ثواب میں بھی حاصل کر لوں۔ اس زمانہ میں ایسے انسانوں کی کمی تو نہیں ہے جو ارسطو کی تعریف کے مطابق انسان ہیں، اس لیے کہ بہر حال وہ 'حیوان ناطق' ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بس حیوان ناطق ہی ہیں، قرآن کی تعریف کے مطابق وہ انسان نہیں ہیں

اس لیے کہ وہ بصیرت اور بصارت، دونوں سے محروم ہیں۔ فی زمانہ ایسے انسان بہت ہی تھوڑے ہیں جو اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے جدوجہد کریں، اس کے لیے گھر سے نکلیں، اس کے لیے تکلیفیں اٹھائیں، اس کے لیے ان کے اندر ذوق وشوق ہو۔ میں آپ لوگوں کو انھی میں شمار کرتا ہوں جو ایک نہایت ہی محبوب اور عظیم مقصد کے لیے گھر سے نکلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس ارادے میں خیر و برکت عطا فرمائے اور آپ کو زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستفیض ہونے کا موقع دے!

حضرات، میرا ارادہ تو یہی تھا کہ میں شرکت کے ذریعے سے برکت حاصل کروں، لیکن میرے عزیز بھائی شیخ سلطان احمد صاحب اور برادر عزیز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی مجھے یہ خواہش بھی معلوم ہوئی کہ میں آپ کے سامنے تقریر بھی کروں، تو میں نے ان کی خواہش کی تعمیل ضروری سمجھی، لیکن میں جو کچھ عرض کروں گا، اس کی نوعیت ہرگز تقریر کی نہیں ہوگی، بلکہ چند نہایت ہی واضح اور بدیہی حقیقتوں کی تذکیر ہی کی ہوگی، یعنی صرف یاددہانی! حقیقت یہ ہے کہ بعض حقیقتیں اپنی جگہ انتہائی واضح ہوتی ہیں، لیکن شاید اپنی شدت وضاحت ہی کی وجہ سے بہت مجہول ہو جاتی ہیں، لہٰذا ان کی وقتاً فوقتاً تذکیر ہوتی رہنی چاہیے۔ میری اپنی زندگی کی رہنمائی میں ان حقائق نے مجھے بہت مدد دی ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر آپ کو بھی ان کی یاددہانی کرا دوں تاکہ آپ حضرات بھی ان سے فائدہ اٹھائیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خدا کا وجود

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ خدا ہے اور ضرور ہے اور خدا کے ماننے پر ہر انسان مجبور ہے۔ جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں، وہ ایک بدیہی حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔ میں اس معاملے میں اپنا یہ ذاتی احساس عرض کر دیتا ہوں کہ جب اول اول مجھے اس حقیقت کا شعور ہوا کہ خدا ہے اور ضرور ہے، نیز یہ کہ انسان اس کا انکار نہیں کرسکتا اور اس سے مفر نہیں ہے، تو اس کے ساتھ ہی مجھے اس بات کا بھی ادراک ہوا کہ اس ماننے سے بہت بھاری ذمہ داریاں انسان پر عائد ہو جاتی ہیں۔ جب کبھی میں ان ذمہ داریوں کے متعلق سوچتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ اس کا بوجھ میری کمر توڑ دے گا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ کچھ فلسفی ایسے بھی ہیں جو خدا کا انکار کرتے ہیں تو واقعہ یہ ہے کہ مجھے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان کی چیزوں کا بھی مطالعہ کروں۔ اور صاف طور پر عرض کیے دیتا ہوں کہ بغیر کسی تعصب کے میں نے ان چیزوں کا مطالعہ کرنا چاہا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میرے اندر چھپی ہوئی خواہش بھی موجود تھی کہ اگر یہ فلسفی یہ ثابت کر دیں کہ خدا نہیں ہے تو میں اس کا خیر مقدم کروں گا، اس لیے کہ اس طرح بہت بڑے بوجھ سے نجات مل جائے گی۔ یہ ایک مخفی راز ہے

جو میں آپ پر ظاہر کر رہا ہوں۔ ویسے الحمد اللہ! مجھ پر الحاد کا کوئی دور نہیں گزرا ہے، لیکن مجھ پر ایک ایسا دور ضرور گزرا ہے کہ جب میرے اندر یہ خواہش تھی کہ اگر یہ فلسفی حضرات خدا کا انکار ثابت کر دیں اور مجھے مطمئن کر دیں کہ خدا نہیں ہے تو بہر حال ایک اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملے گا اور سر سے ایک بھاری بوجھ اتر جائے گا۔ اس خواہش کے تحت میں نے متکلمین کی، دہریوں کی، منکرین کی، ڈارون کی، مارکس کی، فرائڈ کی، غرض کہ ان سب لوگوں کی کتابیں بڑی دل چسپی سے پڑھیں اور بغیر کسی تعصب کے پڑھیں، لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہ ساری چیزیں پڑھنے کے بعد مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ـــــ یہ سب خرافات ہیں! ایک بدیہی حقیقت سے انکار کی خواہش ان سے یہ کام کرا رہی ہے، باقی رہ گیا یہ کہ خدا کے انکار کے لیے ان لوگوں کے پاس واقعی کوئی دلیل ہے تو اس کی سرے سے گنجایش ہی نہیں! جو بات یہ پیش کرتے ہیں، اس سے ہزار گنا مضبوط اور بدیہی بات وہ ہے جو قرآن حکیم پیش کرتا ہے کہ ایک خدا کو، ایک رب کو، ایک رحمان کو، ایک رحیم کو، ایک علیم کو، ایک خبیر کو، ایک سمیع کو اور ایک بصیر کو مانو! اس بات پر عقل بھی گواہی دیتی ہے اور فطرت بھی گواہی دیتی ہے؛ ظاہر بھی گواہی دیتا ہے اور باطن بھی گواہی دیتا ہے؛ آفاق بھی گواہی دیتے ہیں اور انفس بھی گواہی دیتے ہیں، غرض کہ ایک ایک چیز گواہی دیتی ہے۔ ہمارے متکلم اور ہمارے فلسفی لوگ خدا کے وجود پر اگر کوئی دلیل قائم کر نہیں پاتے تو جانتے ہو کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دلیل وہاں کام دیتی ہے جہاں دلیل دعویٰ سے زیادہ واضح ہو۔ لیکن اگر دعویٰ دلیل سے زیادہ واضح ہو تو وہاں دلیل بے کار ہے۔ وہاں دلیل کیا کام کرے گی؟ وہاں ارسطو کی منطق کیا کام کر سکتی ہے؟ وہاں متکلمین کا علم کلام کیا کام کر سکتا ہے؟ اسی طرح آسمان اور زمین کے وجود پر آپ کیا دلیل لا سکتے ہیں؟ ان چیزوں پر دلیل لانے کی کوشش کرنا درحقیقت حماقت ہے۔ یہ بدیہیات ہیں! فطرت کی، آفاق کی، انفس کی، عقل کی سب کی بدیہیات! اس مطالعہ سے مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں، وہ محض انکار کرنے کی خواہش کے زیر اثر اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں، اس لیے کہ وہ جس علت العلل کو، جس محرک اول کو، جس مادہ کو، جس خلیہ کو اس عظیم کائنات کا سبب قرار دیتے ہیں، اس سے زیادہ اور اس سے لاکھ درجہ آسان اور عقل اور دل کے لیے قابل قبول بات وہ ہے جو قرآن کہتا ہے۔ میں اس کائنات کو کسی محرک اول کی حرکت کا نتیجہ مان لوں! اس حماقت میں مبتلا ہونے سے زیادہ بہتر یہی ہے کہ میں یہ مان لوں کہ بے شک خدا ہے اور انھی صفات کے ساتھ ہے جو قرآن کہتا ہے!

خدا کو ماننے کے تقاضے

تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں، وہ درحقیت خدا کو ماننے کی جو عظیم ذمہ داریاں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

انسان کے اوپر عائد ہوتی ہیں، ان سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی اور وجہ نہیں ہے۔ اور اس میں واقعتاً کوئی شک نہیں ہے کہ خدا کو ماننے کے بعد جو عظیم ذمہ داریاں انسان کے اوپر عائد ہوتی ہیں، وہ بڑی اہم ہیں، بڑی مشکل ہیں، بڑی کٹھن اور بڑی دشوار ہیں۔ اس راہ میں آگے بڑھنا صرف اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے، جبکہ آدمی سر ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھے۔ اس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح سر کٹوانا پڑتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح سولی کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آگ میں کودنے کے لیے تیار ہونا پڑتا ہے اور ان تمام مراحل اور مقامات سے گزرنا پڑتا ہے جن مراحل اور مقامات سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گزرے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے ہر شخص ہمت نہیں رکھتا اور اسی لیے لوگ گریز اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا وہ صاف صاف انکار کر دیتے ہیں کہ ہم ان جھگڑوں ہی میں نہیں پڑتے۔ وہ ان بدیہی حقیقتوں کو 'موہوم' کہہ کر گویا ذمہ داریوں سے بچنے کا آسان راستہ نکال لیتے ہیں۔ اور جو لوگ مانتے ہیں، جیسے کہ ہم اور آپ اور ہماری قوم، وہ درحقیقت اقرار مع الانکار کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ خدا کو مانتے ہیں، لیکن خدا کو ماننے کے جو تقاضے ہیں، ان میں سے کسی تقاضے کو پورا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ پھر اس کے بعد تقاضوں سے فرار کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے اختیار کر لیتے ہیں۔ بڑے فخر اور تعلّی کے ساتھ خدا کا اقرار بھی کرتے ہیں، لیکن زندگی کے کسی مرحلہ میں خدا کے اقرار کے تقاضوں کو پورا کرنے اور خدا کے احکام پر بے چون و چرا عمل کرنے پر تیار نہیں ہوتے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر دوسرے صریح اور کامل انکار میں مبتلا ہیں تو یقیناً ہم بھی اقرار مع الانکار میں مبتلا ہیں اور ہماری پوری قوم مبتلا ہے۔

اصل چیز یہ ہے کہ خدا کو مانیے تو خدا کو ماننے کے جو مطالبے ہیں، جو تقاضے ہیں، جو تضمنات ہیں، جو مضمرات ہیں، جو لوازمات ہیں اور جو نتائج ہیں، ان کا مواجہہ کرنے کے لیے تیار رہیے۔ حقیقت سے گریز کی پالیسی نہایت بزدلانہ، بلکہ منافقانہ ہے۔ اور قرآن کے مطالعہ سے میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ مآل کے لحاظ سے کفر اور نفاق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے مابین فرق صرف ظاہر کا فرق ہے۔ نتیجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا انجام ایک ہے۔ تو جو لوگ انکار میں مبتلا ہیں، وہ تو انکار میں مبتلا ہیں ہی، لیکن جو لوگ اقرار والے انکار میں مبتلا ہیں تو واقعہ یہ ہے کہ وہ صریح نفاق میں مبتلا ہیں۔ اب اس صریح نفاق کو اپنے اندر سے نکالنا ایک بڑا معرکہ ہے اور دوسروں کے اندر سے نکالنا اس سے بھی بڑا معرکہ ہے۔ اللہ جن کو ہدایت بخشتا ہے، وہ نفاق کو اپنے اندر سے نکال سکتے ہیں اور جن کی ہدایت میں اور جن کی توفیق میں زیادتی فرماتا ہے، وہ دوسروں سے اس کو دور کرنے کی سعی و جہد

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے بڑی سخت بازی کھیلنی پڑتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حقیقت سے گریز کی پالیسی بالکل غلط ہے۔ حقیقت کا مواجہہ کیجیے اور پوری جرأت کے ساتھ مواجہہ کیجیے اور وہی بندے مبارک بندے ہیں جو یہ کام کریں۔ اللہ تعالیٰ کو بہت ساری بھیڑ مطلوب نہیں، وہ تو مکھن چاہتا ہے۔ اسے تو وہ بندے پسند ہیں جو اس کو اس طرح مانیں، جیسے کہ اس کو ماننے کا حق ہے۔ مولویوں کی زبان میں سننا چاہیں تو سنیے کہ 'مانیں ماننا کر!' سر دینے کے لیے تیار ہو کر مانیں۔ یوحنا و مسیح علیہما السلام کی طرح مانیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ سے مانیں۔ باقی اس کے سوا دوسرا طرز عمل مہمل اور خرافات ہے!

پس حق کو جانیے، حق کو سمجھیے، حق کا علم حاصل کیجیے، حق کی معرفت حاصل کیجیے اور پھر اس حق کو اپنے اوپر قائم کرنے کے لیے اور دوسروں پر قائم کرنے کے لیے اپنے اندر صبر اور عزیمت پیدا کیجیے۔ اسی حق اور اسی صبر پر حقیقت میں صحیح زندگی قائم ہوتی ہے۔ جہاں تک حصول علم و معرفت کا تعلق ہے تو یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ نبیوں کی تعلیم، نبیوں کے صحیفے، اللہ کا شکر ہے، موجود ہیں؛ اللہ کی آخری کتاب قرآن، بہ تمام و کمال موجود ہے؛ آخری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت موجود ہے؛ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی موجود ہے؛ اگر آپ جاننا چاہیں اور آپ میں جاننے کا شوق اور طلب ہو، جس طرح زندگی کی اور طلبیں ہیں، تو یہ کام بہت مشکل نہیں ہے۔ لیکن صبر کا معاملہ بہت مشکل ہے۔ یہی میری زندگی کا تجربہ ہے کہ صبر کا معاملہ واقعی بہت مشکل ہے۔ عزیمت کا معاملہ بہت مشکل ہے۔ میں اس صبر کے متعلق عرض نہیں کر رہا ہوں جس کے کھوکھلے وعظ ہمارے منبروں سے ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ صبر حقیقی، عزیمت، استقامت سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ کو ماننے اور حق کو تسلیم کرنے کے جو حقیقی تقاضے ہیں، ان کو پورا کیا جائے۔ جس حق کو قبول کیا جائے، اس کی اپنے قول و عمل سے شہادت بھی دی جائے۔ یہ ہر مومن کا فرض ہے اور اولین فرض ہے۔

شہادت حق

جس شخص میں حق کی طلب نہ ہو، حق کا علم حاصل کرنے کا شوق نہ ہو، اسے آپ ارسطو کی تعریف کے مطابق انسان کہہ لیجیے، لیکن میں تو اسے دو ٹانگوں پر چلنے والا جانور ہی سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک وہ حقیقت میں انسان نہیں ہے جس میں حق کی طلب نہ ہو۔ جس کا عظیم داعیہ انسان کی فطرت کے اندر موجود ہے۔ جس کے اندر یہ داعیہ نہیں ہے، وہ مردہ ہے۔ وہ آدمی نہیں ہے، بلید ہے اور جانور سے بھی زیادہ بلید ہے! لہٰذا اس حق کو قائم کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ پہلے تو اس حق کو اپنے اوپر قائم کیجیے، اس لیے کہ جس نے اپنے اوپر اس حق کو قائم نہیں کیا، اس کا حق کی

شہادت دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہونا فضول کام ہے۔ ایسے کھوکھلے سینوں کی شہادت کچھ کارگر نہیں ہوتی، بالکل بے کار ہوتی ہے۔ صرف انھی لوگوں کو حق کی شہادت پیش کرنے کا حق ہے جو حق کو پہلے اپنے اوپر قائم کرلیں۔ اور اچھی طرح جان لیجیے کہ حق کی شہادت دینا بھی فرض ہے۔ حق کو جاننے والے اور علم صحیح رکھنے والے کے لیے میں دین میں، اور قرآن کے تیس پاروں میں، کہیں کوئی گنجایش نہیں پاتا کہ اسے حق کی شہادت دینے سے مفر ہو۔ شہادت حق اس پر واجب ہے، لازم ہے، فرض ہے! دائیں بائیں، آگے پیچھے، جس حد تک ممکن ہو حق کی شہادت دیجیے۔

لیکن جب شہادت کا مرحلہ آتا ہے تو بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اس کے لیے بسا اوقات ایسے ایسے لوگوں کے کانوں میں حق کی اذان دینی پڑتی ہے جن کے کانوں میں یہ اذان دینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ بڑے عزیز تعلقات اس کے لیے منقطع ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے عزیز رشتے اس کے لیے کٹ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے محبوبوں کی دوستی اس کے لیے قربان کرنی پڑتی ہے اور بسا اوقات سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ آخری چیز جان ہے۔ اس کی بھی نذر گزارنی پڑتی ہے اور صاف سن لیجیے کہ اگر آپ جان کو عزیز رکھتے ہوں تو اس راستہ میں بالکل قدم نہ رکھیے۔ یہ وہ راستہ نہیں جس میں آسانیاں ہوں۔ اس راستہ میں بڑی مشکلات ہیں۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں ان تمام مشکلات کو بیان کروں۔ آپ قرآن کریم کا جو درس حاصل کریں گے، ان سے یہ مشکلات معلوم ہو جائیں گی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

صبر کی حقیقت

لیکن میرے عزیز دوستو، ایک بات میں آپ کو ضرور بتانا چاہتا ہوں اور کاش! میں اسے اچھی طرح آپ کو سمجھا بھی سکوں۔ وہ بات یہ ہے کہ 'صبر' کہنے کے لیے بہت آسان ہے، لیکن کرنے کے لیے بہت مشکل ہے۔ اور پھر یہی وہ چیز ہے جس پر صحیح زندگی استوار ہوتی ہے۔ جہاں تک اہل حق کا تعلق ہے اور شہادت حق دینے والے لوگوں کا تعلق ہے، ان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صبر کی بنیاد ایک علمی حقیقت پر اور ایک حکمت پر مبنی ہے۔ جب تک وہ حقیقت و حکمت پوری طرح سے واضح نہ ہو، اس پر علم الیقین اور حق الیقین نہ ہو تو اس وقت تک صبر کرنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ حقیقت و حکمت یہ ہے کہ آپ کے راستہ میں جو کچھ پیش آئے گا، وہ اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تحت پیش آئے گا۔ اللہ کے ارادہ اور مشیت کے سوا اس دنیا میں اور کوئی ارادہ اور مشیت کارفرما نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ارادہ میں خیر مضمر ہوتا ہے، اگرچہ ہمیں اس کا خیر معلوم نہ ہو۔ اسی حقیقت کو سمجھنے کے لیے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلنے کا حکم ہوا۔ اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جب تک آپ اس حقیقت کو مستحضر نہیں رکھیں گے، آپ کی اندرونی زندگی میں اور آپ کی خارجی زندگی میں ایسے ایسے فتنے پیش آئیں گے کہ شیطان آپ کو لوٹا دے گا، آپ کے قدم متزلزل ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اس حقیقت پر آپ کا مضبوط یقین ہے کہ جو ہو گا خدا کے ارادہ سے ہو گا اور خدا کا ارادہ ہمیشہ خیر اور حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے تو آپ یقین کریں کہ آپ بڑے سے بڑے مشکل مرحلہ میں بھی ثابت قدم رہیں گے۔ رہی یہ بات کہ خدا کا ہر ارادہ خیر پر مبنی ہے اور خدا کے ارادہ کے سوا کوئی دوسرا ارادہ اس کائنات میں کارفرما نہیں ہے تو یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ جو اس کو نہیں مانتا، وہ مومن نہیں ہے، اس کو سمجھنے کی دو شکلیں ہیں: ایک یہ کہ ہر کام کی حکمت ہمارے اوپر عیاں اور واضح ہو جائے۔ لیکن اس کا کوئی امکان نہیں، اس لیے کہ ہم خدا تو نہیں بن سکتے۔ ہم بندے ہیں اور ہمارا علم محدود ہے۔ دوسری یہ کہ ہم اس بات پر یقین رکھیں کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس میں خدا کی حکمت مضمر ہوتی ہے۔ کچھ کی حکمت ہماری سمجھ میں آجاتی ہے اور کچھ کی حکمت، اپنے محدود علم کی وجہ سے، ہم سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ لیکن یہ بات کہ ہر کام میں خیر و برکت پوشیدہ ہوتی ہے تو اس پر پورا پورا ایمان اور یقین رکھیں۔ خدا چاہے گا تو وہ آپ پر حکمت بھی واضح کر دے گا، لیکن حکمت جاننے کے لیے ہم کو بے صبر نہیں ہونا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ اس راستہ میں آپ دیکھیں کہ ظالموں کی گرتی ہوئی دیوار اور باغیوں اور طاغیوں کے گرتے ہوئے وقار کو سنبھالا دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بھی خدا کی حکمت ہی کارفرما ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس راستہ میں آپ دیکھیں کہ اہل حق مظلوم ہیں، مقہور ہیں، ان کو دکھ دیا جا رہا ہے اور وہ فاقے کر رہے ہیں۔ یہ بات بھی آپ دیکھیں تو اس پر یہی یقین رکھیں کہ اس میں بھی خدا کی کوئی حکمت ہو گی۔ یہاں مسکینوں کی کشتی میں سوراخ کرا دیا جاتا ہے تو اس کے اندر بھی حکمت مضمر ہوتی ہے۔ ظالموں اور باغیوں کی دیوار اونچی کرا دی جاتی ہے تو بہرحال اس دیوار کے نیچے بھی، غریبوں اور یتیموں کا خزانہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ ظالموں اور طاغیوں کو جو مہلت دی جاتی ہے، اس کے اندر کیا کیا حکمتیں ہوتی ہیں تو ان میں سے کچھ کا اندازہ آپ کو قرآن مجید کے مطالعہ سے ہو گا اور اصل حقیقت قیامت کے دن ہمارے سامنے آئے گی۔

بہرحال ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اس بات پر ایمان رکھیں کہ اگر حق کی راہ میں کسی پر ظلم ہوتا ہے تو اسی کے اندر حکمت ہے۔ اسی کے اندر بہتری ہے، اسی کے اندر خیر ہے، اسی کے اندر فلاح ہے اور اسی کے اندر کامیابی ہے۔ اور اگر ظالموں کو، طاغیوں کو، سرکشوں کو، نافرمانوں کو، باغیوں کو، غافلوں کو اور بے پرواؤں کو خدا کی طرف سے ڈھیل دی جاتی ہے تو اس کے اندر بھی حکمت ہے، اس پر بھی پورا یقین رکھیے۔ اگر آپ اس بنیادی حقیقت کو پیش نظر رکھیں گے تو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ چیز ہمیشہ شیطان کے مقابلہ میں آپ کو پناہ میں رکھے گی۔ آپ ثابت قدم رہ سکیں گے۔ اور اگر اس سے غفلت ہو گئی تو شیطان آپ کو ٹھوکر کھلائے گا اور آپ کو دھوکا دے گا۔ لہٰذا یہ بڑی بنیادی چیز ہے جو آپ کو ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے۔

دنیا میں انسان کی حیثیت

دوسری ایک اور بات بھی میں آپ کے سامنے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہم کو اور آپ کو اس دنیا میں اپنا موقف اور مقام بھی طے کر لینا چاہیے کہ ہم اس دنیا میں کیا ہیں؟ خالق ہیں؟ ظاہر ہے کہ خالق نہیں ہیں، مخلوق ہیں۔ مالک ہیں؟ ظاہر ہے کہ مالک نہیں ہیں، مملوک ہیں۔ ہمارا صحیح موقف اور صحیح مقام جو قرآن مجید میں سورۂ حدید میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ہم 'مُسْتَخْلَفُ' ہیں، 'مُسْتَخْلِفُ' نہیں ہیں۔ 'مُسْتَخْلَفُ' کا مفہوم اگر آپ اردو میں سمجھنا چاہیں تو یوں سمجھ لیجیے کہ ہم امین ہیں۔ ہمیں جتنی قوتیں، صلاحیتیں، ذہنی و دماغی قابلیتیں اور جسمانی توانائیاں ملی ہیں، جو مال، دولت، اسباب، سامان، ذرائع اور وسائل ملے ہیں، ہم ان سب کے امین ہیں، مالک نہیں۔ اور جب ہم امین ہیں تو ظاہر بات ہے کہ ہمیں ہر امانت کے لیے جواب دہی کرنی ہے۔ ایک ایک چیز کے متعلق حساب دینا ہے۔ امانت دینے والے نے جس حد تک اختیار دیا ہے، بے شک اس اختیار کے دائرہ کے اندر ہم اختیار استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں، لیکن اس کے باہر رتی برابر بھی ہٹے تو اس کا حساب دینا ہوگا، جواب دہی کرنی ہوگی اور نتیجہ بھگتنا ہوگا اور کسی ایسے ویسے سے نہیں، بلکہ اس ہستی سے بھگتنا ہوگا جو ذرہ ذرہ کا علم رکھتی ہے۔ پھر یا تو اس بات کا انکار کر دیجیے اور کہیے کہ آپ 'مُسْتَخْلَفُ' نہیں ہیں، بلکہ مالک ہیں، ورنہ اپنے سمع پر، اپنے بصر پر، اپنے قلب و فواد پر اور اپنی ایک ایک چیز پر پہرہ بٹھائیے، اپنی زبان پر بھی پہرہ بٹھائیے۔ یہ آپ کی زبان کس کی ترجمان ہے؟ یہ آپ کی عقل کی ترجمان ہے یا آپ کے بطن اور فرج کی ترجمان ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت عقل کی ترجمان ہے۔ ہم نے اس کو بطن اور فرج کا غلام بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر موقع ہوتا تو میں تفصیل سے آپ کو بتاتا کہ ہماری شاعری، ہمارا ادب اور ہمارا لٹریچر بالکل مہمل، گندی، ناپاک اور لغو چیز بن کر رہ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شمشیر جوہر دار جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی تھی، اس سے ہم نے گھاس کاٹنے کی درانتی کا کام لینا شروع کر دیا ہے۔

بہرحال، اس بات کو ملحوظ رکھیے کہ ایک ایک چیز کے آپ مسئول ہیں اور ذمہ دار ہیں۔ جو شخص اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرتا ہے، اس کے قدم جادۂ حق پر استوار رہتے ہیں اور جہاں اس حقیقت سے غفلت ہوئی، وہیں وہ فوراً مار کھا جاتا ہے۔ تو اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے۔ اس موقف کو، اپنے مقام کو، اپنے درجہ کو اور اپنے مرتبہ کو کبھی بھی فراموش نہ کیجیے اور اگر اس کے انکار کی آپ میں ہمت ہے تو میں کسی ایسے دوست کا خیر مقدم کروں گا جو

مجھ پر ثابت کر دے کہ اس کے انکار کی عقلی دلیل موجود ہے اور اس کی گنجایش ہے۔ کم از کم قرآن مجید میں، جس پر آپ کا ایمان ہے، اس کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اگر یہ آپ کے نزدیک قرآن قبروں کے اوپر پڑھ کر صرف ایصال ثواب کے لیے ہے، تب تو میں کچھ نہیں کہتا۔ ان لوگوں کی قبروں پر بھی پڑھ کر اس کے ذریعہ ایصال ثواب کیجیے کہ جنھوں نے ساری عمر کبھی قرآن کو ہاتھ تک نہ لگایا ہو۔ لیکن اگر قرآن زندگی کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہے، حق بتانے کے لیے ہے، صراط مستقیم پر گامزن رکھنے کے لیے ہے، مآل کار کا شعور دینے کے لیے ہے، جیسا کہ فی الواقع وہ ہے، تب میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کا مستقر، آپ کا مقام اور آپ کا موقف اس قرآن میں یہی بیان کیا گیا ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔ اگر کوئی صاحب اس کے برعکس مجھے کوئی بات سمجھا سکیں تو میں ان کا خیر مقدم کروں گا۔ یہ بات بڑی تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت تھی، لیکن میں نے مختصراً عرض کیا ہے۔

ابن آدم کا شاطر دشمن

عزیزو، اب ایک حقیقت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، جس کو آپ ہمیشہ پیش نظر رکھیے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ ہر ابن آدم اور بنت حوا اس دنیا میں محاذ جنگ پر ہے، اور بڑے شاطر دشمن کے مقابلہ میں محاذ جنگ پر ہے! بڑے کائیاں دشمن کے مقابلہ میں، جس نے خدا کو یہ چیلنج دے رکھا ہے کہ 'اگر تو مجھے مہلت دے تو میں اس انسان کے داہنے سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے، اس کے آرٹ سے، ادب سے، لٹریچر سے، ثقافت سے، کلچر سے، غرض کہ ہر پہلو سے، اس کے اوپر تاخت کروں گا! اور اسے تیری صراط مستقیم سے ہٹا کر چھوڑوں گا! اس کو گمراہ کر کے رہوں گا! اور ثابت کر دوں گا کہ اس کو میرے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے'! اللہ تعالیٰ نے اس شان کے ساتھ، جو اس کو زیبا ہے، جواب میں فرمایا کہ 'جا تجھے مہلت دی گئی! جس کو تو بہکا سکتا ہے، بہکا لے، جو تیرے پیچھے لگ جائیں گے، میں ان سے اور تجھ سے، تیری ذریت سے اور تیرے اولیا سے جہنم کو بھر دوں گا!' یہ قرآن مجید کی ایک واضح حقیقت ہے۔ قرآن حکیم میں قصۂ آدم وابلیس صرف حکایت سنانے کے لیے نہیں ہے، بلکہ ایک حقیقت بیان کرنے کے لیے ہے۔ اس کی بے شمار حقیقتوں میں سے ایک حقیقت یہ ہے کہ آپ اچھی طرح یہ سمجھ لیں کہ آپ اس دنیا میں ایک بڑے شاطر اور کائیاں دشمن کے مقابلہ میں محاذ جنگ پر ہیں اور یہ دشمن چالاک و مکار ہونے کے ساتھ ساتھ طاقت ور بھی ہے۔ اس نے جس وقت انسان کو گمراہ کرنے کا چیلنج دیا اور مہلت مانگی تھی، اس کے لیے چیلے گنتی کے ہوں گے، لیکن آج تو اس کی فوج بے شمار ہے۔ پھر اس کی فوج میں ایسے ایسے کائیاں لوگ پیدا ہو گئے ہیں کہ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ وہ آج خود ابلیس کے کان کتر سکتے ہیں۔ ابلیس کو بھی فلسفہ پڑھا سکتے ہیں۔ وہ اس سے بھی زیادہ کائیاں ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اب ابلیس کو خود کچھ کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہے، اس سے زیادہ شاطر اس کے شاگرد ہیں۔ اگر تفصیل کا موقع ہوتا تو میں ان شاگردوں کے کرتوتوں کو ایک ایک کر کے آپ کے سامنے رکھتا اور آپ کو اپنی بات پوری طرح سمجھا دیتا۔ اجمالاً یوں سمجھ لیجیے کہ یہ شاگرد آج آرٹ کے نام سے، ادب کے نام سے، لٹریچر کے نام سے، ثقافت کے نام سے، کلچر کے نام سے، فیشن کے نام سے، تہذیب کے نام سے، پیپٹ کے نام سے، سیکس کے نام سے، جمہوریت کے نام سے، عوام کے نام سے، خود اسلام کے نام سے اور نہ جانے کس کس نام سے خدا کی خلق کو گمراہ کر رہے ہیں اور ابلیس کے کان کتر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ابلیس بھی شاید قیامت کے دن چیخ اٹھے گا کہ بے شک، تم نے مجھے بھی مات دے دی! میں تم سے یہ توقع نہیں رکھتا تھا۔ پس اے بھائیو، ایسے چالاک دشمن اور اس کے ایسے لاؤلشکر کے مقابلہ میں آپ محاذ جنگ پر ہیں! جو سپاہی محاذ جنگ پر ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ بدبخت ہے، بدقسمت ہے، نالائق ہے اگر وہ اتنا غفیل ہو کر اور گھوڑے بیچ کر سو جائے! گھوڑے بیچ کر سونے کا کیا موقع ہے؟ جن لوگوں کی صفت یہ تھی کہ وہ دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر باطل سے پنجہ آزمائی کرتے تھے اور اللہ کی کبریائی کی شہادت دینے کے لیے سردھڑ کی بازی لگاتے تھے اور پھر رات کو مصلیٰ پر اپنے آقا کے حضور کھڑے ہوتے تھے، اس سے مناجات کیا کرتے تھے، وہ آخر کاہے کو جاگتے تھے؟ ان کو کون سا غم تھا؟ ان کو اگر فکر تھی تو یہی کہ بڑے کائیاں دشمن سے مقابلہ ہے، بڑے شاطر دشمن سے سابقہ ہے جس کے ایجنٹ شیطانوں میں بھی ہیں، جنوں میں بھی ہیں اور خود انسانوں میں بھی ہیں۔ اور، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، اس زمانہ میں تو ابلیس کے بڑے ہوشیار اور چالاک ایجنٹوں کا پورے کا پورا لاؤلشکر آپ کے داہنے بائیں اور آگے پیچھے موجود ہے۔ لہٰذا آپ کے لیے از حد ضروری ہے کہ آپ کسی وقت غافل نہ ہوں۔ ہر وقت جاگتے رہیں، ہر وقت ہوشیار رہیں اور چوکس اور چوکنے رہیں۔ محاذ جنگ پر جس طرح سپاہی سوتا ہے، اسی طرح سوئیں، جس طریقہ سے جاگتا ہے، اسی طریقہ سے جاگیں۔ یہ اللہ کو معلوم ہے کہ اس مقابلہ میں بالآخر جیتے گا کون اور ہارے گا کون! لیکن آدم کی ناخلف اولاد ہو گا وہ جو اس حقیقت سے غافل ہو؟ یاد رکھیے کہ اس کی یہ غفلت اس کو شیطان کے مقابلہ میں چاروں شانے چت کر دے گی۔

پس میرے عزیزو، جاگتے رہو! آگاہ رہو! رات کو بھی، دن کو بھی، سوتے وقت بھی، اور جاگتے وقت بھی، ہر وقت ہوشیار رہو! دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے ہر سمت اور ہر طرف سے چوکنے رہو۔ اگر آپ اس حقیقت کو یاد رکھیں گے تو آپ صراط مستقیم پر گامزن رہیں گے۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ محاذ جنگ پر ہر سپاہی کو ہتھیار کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور آپ کو بھی ہتھیار درکار ہے۔ یہ ہتھیار کیا ہے؟ تو جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے چیلنج کے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی، وہی ارشاد آپ کے لیے ہتھیار اور وہی چیز آپ کے لیے نسخۂ علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''جا، میں انسانوں کی رہنمائی اور مدد کے لیے اپنی ہدایت اور اپنی کتاب نبیوں اور رسولوں کے واسطے سے نازل کروں گا جو لوگ میری کتاب (اور میرے انبیا و رسل کی سنت کو) مضبوطی سے پکڑے رہیں گے، ان کو تو ہرگز گمراہ نہیں کر سکے گا، ہاں جو میری ہدایت کو چھوڑ دیں گے تو ان پر تیرا جادو بے شک چل جائے گا۔''

پس شکر کیجیے کہ شیطان کے مقابلہ میں آپ کے پاس اللہ کی آخری کتاب بہ کمال و تمام موجود ہے۔ اس کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیے۔ اس کو ایصال ثواب کا نسخہ نہ سمجھ لیجیے، بلکہ اس کے ایک ایک لفظ کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اس کے اوامر و نواہی کو معلوم کیجیے۔ اس کے احکام اور ان کی حکمتوں کو جاننے کی سعی کیجیے۔ اس کی دعوت کا شعور حاصل کیجیے۔ برے اعمال، نافرمانی، سرکشی طغیان و بغاوت کے ہول ناک انجام سے آگاہی حاصل کیجیے اور ساتھ ہی ساتھ جو کچھ علم ہوتا رہے، اس پر عمل کی جدوجہد شروع کیجیے اور دوسروں تک قرآن مجید کی دعوت کو نہایت دل سوزی کے ساتھ پہنچانے کی فکر کیجیے۔ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دیجیے۔ اس کا حق اسی طرح ادا ہو گا۔ اس کو مضبوطی سے تھام لینے کا یہی مطلب اور مفہوم ہے۔ اس کے برعکس طرز عمل اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق ہے۔ ایسے طرز عمل کے ساتھ اس کی محبت کا دعویٰ لاف زنی ہے، بے وزن ہے، بے حقیقت ہے، جس کا پتا آخر کار روز حساب میں چل جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فطرت کے تازیانے

عزیزو، اب صرف ایک حقیقت اور یاد دلانا چاہتا ہوں اور وہ محض میرا تاثر نہیں ہے، بلکہ میرے نزدیک ایک امر واقعہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہماری پوری قوم کے اوپر اس وقت اسی قسم کے حالات پیش آ رہے ہیں جس قسم کے منذرات، تنبیہات اور جس قسم کے تازیانے بنی اسرائیل کے لیے نمودار ہوئے تھے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں دعوت الی اللہ کی وراثت بنی اسرائیل سے چھین کر آپ کو دی گئی تھی۔ سورۂ مائدہ آپ نے پڑھی ہو گی۔ پھر پڑھ لیجیے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ 'میں بنی اسرائیل سے اس کی نافرمانی، کج روی اور خیانت کی وجہ سے یہ امانت چھین کر اب تمھارے حوالے کرتا ہوں، لیکن اگر تم نے مجھ سے نقض عہد کیا، میری کتاب کو چھوڑا، میرے نبی سے منہ موڑا، میری شریعت کے ساتھ بغاوت کی، میرے ساتھ مکاری اور چالاکی کی تو تمھارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو گا جو بنی اسرائیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔' میرا تاریخ کا جو مطالعہ ہے، تاریخ سے میری مراد وہ تاریخ ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے اور کسی تاریخ کا میں عالم نہیں ہوں، میں اس مطالعہ کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس قوم پر اسی طرح کے حالات پیش آ رہے ہیں، جس قسم کے حالات بنی اسرائیل کو پیش آئے تھے۔ یہ بڑا نازک

وقت ہے۔ میرے عزیزو، کسی غلط فہمی میں نہ مبتلا رہو۔ اسی طرح کے واقعات، حالات اور حادثات چند خاص اشخاص و افراد کی غلطیوں کا نتیجہ نہیں ہوتے، بلکہ یہ صورت حال پوری کی پوری قوم کے شامت اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بڑے ہی نادان ہیں وہ لوگ جو چند اشخاص و افراد کو موردالزام گردان کر سارا زور بس ان کو مجرم ثابت کرنے پر لگا رہے ہیں۔ گویا باقی سب خیر سلا ہے، حالاں کہ یہ منذرات، یہ تنبیہات، یہ حادثات اور یہ واقعات پوری قوم کی نافرمانی، سرکشی اور کرتوت کے نتیجے میں رونما ہوئے ہیں۔ ذرا غور تو کرو کہ ایک ہزار سال بعد ہم نے ہندو قوم کے آگے گھٹنے ٹیک دیے، وہ بھی ایک عورت کے آگے! تقریباً ایک لاکھ اپنے لوگ بطور قیدی پکڑوا دیے! آدھے سے زیادہ ہمارا ملک ہاتھ سے نکل گیا! یہ معمولی واقعات نہیں ہیں۔ بھائیوں کے ہاتھوں جس طریقہ سے بھائیوں کا خون بہا ہے، عزتیں پامال ہوئی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جو بھیانک واقعات اخبارات میں آئے ہیں، اگر ان کا پانچ فی صد بھی صحیح ہے تو کلیجہ شق کر دینے کو کافی ہے۔ لیکن ذرا غور کرو کہ ان کا کتنا تاثر ہماری قوم نے لیا ہے۔ اس وقت اس بچے کھچے ملک کے حصہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ اکبر! بھائی، بھائی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے ـــــ زبان کی بنیاد پر، نسل کی بنیاد پر، کلچر کی بنیاد پر، علاقہ کی بنیاد پر۔ جو امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کلمہ 'لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ' پر جمع کی گئی تھی؛ جس کا کلمہ ایک، کتاب ایک، رسول ایک، قبلہ ایک، آج وہ کس طرح شیطان کے نرغہ میں پھنسی ہوئی ہے! بھائیو، میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بڑا نازک وقت ہے، یہ اصلاح حال کا وقت ہے، یہ جوڑنے اور ملانے کا وقت ہے۔ یہ نفرت دلانے اور ایک دوسرے پر الزام لگانے کا وقت نہیں۔ اس سے آخر قوم کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ ہم کسی ایک طبقے یا گروہ کو ملزم قرار دیں اور ان کو مجرم ثابت کریں کہ ساری خرابیوں کا باعث تم ہو اور وہ ہم پر الزام لگائیں اور ہمیں مجرم ثابت کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم سب کے سب مجرم ہیں، پوری کی پوری قوم مجرم ہے، ہم سب اللہ کے نافرمان ہیں۔ پس ہم سب کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہیے، اس کی جناب میں ہم سب کو توبہ اور استغفار کرنا چاہیے! ہم سب کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور جس کے دور دور بھی آثار نہیں ہیں تو جان لینا چاہیے کہ قوم کی کشتی بالکل بھنور میں ہے، گرداب میں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ڈوبی کہ تب ڈوبی۔ معلوم نہیں کہ آپ لوگوں کو بھی حقیقت نظر آتی ہے یا نہیں، مجھے تو رات کے اندھیارے اور دن کے اجالے میں بصارت سے بھی اور بصیرت سے بھی یہی حقیقت نظر آتی ہے۔ عزیزو، آج وقت ہے کہ یوحنا و مسیح علیہما السلام کی طرح آپ کے اندر سے وہ لوگ اٹھیں جو پوری قوم میں توبہ کی منادی کریں، استغفار کی منادی کریں، اللہ سے اپنے تعلق کو استوار کرنے کی منادی کریں، نبی سے حقیقی تعلق جوڑنے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کی منادی کریں۔ خلاف دین، خلاف اسلام کاموں سے اجتناب کی منادی کریں۔ سرکشی و نافرمانی سے بچنے کی منادی کریں۔ حلال وحرام کی تمیز کی منادی کریں۔ اس وقت ان کاموں کے سوا دوسرے کام بالکل فضول ہیں۔ شاطر اسی طرح لڑتے رہیں گے اور ایک سے ایک بڑا عذاب مختلف شکلوں میں آتا رہے گا۔ ایسے بگڑے ہوئے معاشرہ میں جو اشخاص وافراد مسلط ہوں گے، وہ بھی اللہ کے قہر کی نشانی ہوں گے۔ کسی کے اندر خیر نہیں ہے۔ ایک پارٹی اگر جائے گی تو جس قسم کے شر وفساد کے ساتھ وہ آئی تھی کوئی دوسری پارٹی بھی، اسی طرح کے شر اور فساد کے ساتھ، ممکن ہے، مسلط ہو جائے۔ لیکن اس وقت محض ہاتھوں کے بدلنے میں بھلائی نہیں ہے، ملک کے لیے کوئی خیر نہیں ہے۔ ملک کی بھلائی اگر ہوگی تو انھی بے غرض لوگوں کے ہاتھوں ہوگی جو آج یوحنا ومسیح علیہما السلام کی طرح توبہ کی منادی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ جو صاف صاف، بالکل حق، واضح طور پر بڑوں کے سامنے، چھوٹوں کے سامنے، پوری قوم کے سامنے وہی بات پیش کریں جو حق ہے۔ جو دین کا تقاضا ہے، جو ایمان کا تقاضا ہے۔ لیکن جان رکھو کہ یہ راستہ آسان نہیں ہے، بہت کٹھن ہے! ہوسکتا ہے کہ اس راہ میں تمھارے سر کاٹ کر ظالم لوگ اپنی معشوقاؤں کے سامنے تحفہ کے طور پر پیش کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اس راہ میں تمھیں سولی پر چڑھنا پڑے۔ ہوسکتا ہے کہ اپنے وطن سے نکال دیے جاؤ۔ معلوم نہیں کہ اس راہ میں کیا کیا پیش آئے گا۔ بدر واحد اور خندق وحنین، اس راہ کی لازمی منازل ہیں۔ مستقبل کا علم صرف اللہ کو ہے۔ لیکن جو کچھ ہوگا، اسی کے اندر تمھارے لیے خیر اور اسی کے اندر فوز وفلاح ہے۔ اس بات پر یقین رکھو۔ قرآن کی دعوت اور توبہ کی منادی کا کام لے کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ شاید اللہ تعالیٰ تمھاری اس سرفروشانہ ادا کو پسند فرمالے اور تمھاری قوم کو بچالے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ قوم کی کشتی بھنور میں ہے۔

آخر میں، میں اپنے لیے اور آپ کے لیے، دونوں کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو حق کی معرفت عطا فرمائے اور حق پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

(مقالات اصلاحی ۲/۲۸۵ بہ حوالہ ماہنامہ میثاق لاہور- دسمبر ۱۹۷۲ء)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر خالد ظہیر
ترجمہ: رانا معظم صفدر

دیت وقصاص کے قانون کی اصل روح

[یہ ڈاکٹر خالد ظہیر صاحب کے انگریزی مضمون ''Seeking the spirit'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ مضمون ۲۹ ستمبر ۲۰۱۳ء کو انگریزی روز نامہ ''Dawn'' میں شائع ہوا تھا۔ جناب رانا معظم صفدر صاحب نے اسے انگریزی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہمارے معاشرے میں یہ تصور رائج ہے کہ اگر مقتول کے رشتہ دار قاتل کے ساتھ سمجھوتا کرنا چاہیں تو وہ اس کو معاف کر سکتے ہیں اور اس کے بدلے میں اس سے خون بہا کی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور اس صورت میں قاتل کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔ ایسا کرنا اسلام کے دیت اور قصاص کے قانون کے مطابق ہے، لیکن شاہ زیب قتل کیس نے پاکستانی معاشرے میں یہ سوال اٹھا دیا ہے کہ دیت اور قصاص کے قانون پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

شاہ زیب قتل کیس میں صورت حال یہ ہے کہ قاتل ایک ایسا امیر زادہ ہے جو اپنے اقدام پر فخر کرتا ہوا نظر آیا اور جس نے روز اول سے شرمندگی اور پچھتاوے کے بجائے شان بے نیازی کا رویہ اپنائے رکھا، جبکہ دوسری طرف قتل ہونے والے بے قصور نوجوان کے گھر والے قتل کے بدلے قتل کے لیے بہت پرعزم اور اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے، لیکن بعد میں دیت اور قصاص کے قانون کی وجہ سے ملزم بچ گیا۔

اس تناظر میں، دیت اور قصاص کے قانون پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ کوئی بھی جتوئی لڑکے کی طرح کھلم کھلا قتل جیسا اقدام کر کے اسلامی قانون کے ذریعے سے سزا سے کیوں بچ جائے؟ جبکہ قانون میں اس جرم کی سزا یہ ہے کہ قاتل کو مار دیا جائے۔ اور دوسرا سوال یہ کہ اگر خون بہا کے

ذریعے سے قاتل کی زندگی کو بچایا جا سکتا ہے تو یہ آپشن تو صرف امیر طبقہ اختیار کر سکتا ہے، غریب اس موقع سے محروم کیوں رہے؟

اس معاملے میں بیش تر علماے کرام کا موقف یہ سامنے آیا ہے کہ دیت اور قصاص کا قانون اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے، اور یہ قانون اللہ کی ہدایت اور حکمت کے عین مطابق ہے، لیکن شاہ زیب کیس کو سادہ قتل کا کیس نہ لیا جائے۔ اس معاملے میں مجرم جتوئی نے اس زمین پر علانیہ فساد برپا کیا ہے جسے قرآن فساد فی الارض کہتا ہے۔ لہٰذا اس مجرم کے ساتھ معاملہ سورہ مائدہ (۵) کی آیت ۳۳ کی روشنی میں کیا جائے[1]۔ جس کے مطابق مجرم کی سزا اسے جلاوطن کرنا یا سزاے موت دینا ہے۔

تاہم، اس موقف پر دو سوال ایسے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے: ایک یہ کہ اگر یہ ججوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اس کا فیصلہ کریں کہ کون سا اقدام فساد فی الارض کے تحت آتا ہے تو اس کے لیے کی جانے والی قانون سازی بہرحال مبہم اور صواب دیدی ہو جاتی ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت میں دو سزاؤں کو بیان کیا گیا ہے: ایک عبرت ناک طریقے سے موت کی سزا دینا اور دوسرا مجرم کو ملک بدر کرنا۔ پہلی سزا قتل کے بدلے قتل کے مقابلے میں زیادہ ہے اور عام حالات میں لوگ اس کا مطالبہ بھی نہیں کرتے، جبکہ دوسری سزا موجودہ حالات میں قدرے ہلکی سزا ہے۔

علماے کرام کا یہ حل پیش کرنا بظاہر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ عوامی ضمیر کے فیصلے کے مطابق شاہ زیب کے قاتلوں کو سزا دینے کی ایک کوشش ہے، یہ دیکھے بغیر کہ قرآن کے متن کا اصل منشا کیا ہے۔

میرے نزدیک شاہ زیب قتل کیس میں صحیح بات وہ ہے جو معروف عالم دین جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن اگرچہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا کے بدلے قاتل کو معاف کرنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ معافی کی اجازت اس قانون میں کوئی لازمی رعایت نہیں ہے، جسے اختیار کرنا ضروری ہو،

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

---

1. اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِکَ لَہُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ.

''ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے باہر نکال دیے جائیں۔ یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ایک عذاب عظیم ہے۔''

بلکہ اس کا معاملہ بالکل ایسا ہے، جیسا کہ رمضان میں روزے کا قانون۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۸ میں بیان کیے گئے دیت وقصاص کے قانون میں بھی ایسا ہی استثنا بیان کیا گیا ہے، جیسا روزے کے قانون میں بیان کیا ہے۔ اگر کوئی بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو، وہ روزے چھوڑ سکتا ہے اور بعد میں ماہ رمضان کے روزوں کی تعداد کو پورا کر سکتا ہے۔ یہ ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ اس استثنا کو اختیار کرنا لازمی نہیں، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جو بھی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو، وہ قرآن میں مذکور اس رعایت کو لازمی اختیار کرتے ہوئے روزہ نہ رکھے، بلکہ اس کی نوعیت ایک آپشن کی ہے۔ قتل کے قانون کا بھی معاملہ بعینہٖ یہی ہے قاتل سے خون بہا لے کر اس کو معاف کرنا ایک آپشن ہے، یہ اس قانون کا لازمی تقاضا نہیں ہے۔

یہ آپشن ایک صواب دیدی رعایت ہے اور معاشرے کے لیے اس کو لازمی طور پر اختیار کرنا ہرگز ضروری نہیں ہے۔ یہ صواب دیدی رعایت معاشرے اور اس خاص کیس میں ججوں کو ہی اختیار کرنی چاہیے۔ وہ یہ فیصلہ کریں کہ قاتل اگر رعایت کا مستحق ہے تو وہ مقتول کے وارثوں کے سامنے یہ آپشن رکھیں۔ اور اس کا فیصلہ اس بنیاد پر ہونا چاہیے کہ یہ قتل عمد نہیں، بلکہ قتل خطا تھا اور قاتل اپنے عمل پر شرمندہ اور پچھتا رہا ہے اور مقتول کے رشتہ داروں کو اصلاً خون بہا کی طمع نہ ہو، بلکہ وہ انصاف چاہتے ہوں اور حقیقت ان کے سامنے آنے پر وہ بھی یہ سمجھتے ہوں کہ قاتل رعایت کا مستحق ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

غامدی صاحب کی یہ رائے آیات قرآن پر مبنی ہے۔ یہ سورۂ بقرہ کی آیات ۱۷۸-۱۷۹ کی نئی تفہیم ہے، جو پہلی بار غامدی صاحب نے پیش کی ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے روایتی علما قرآن کی کسی نئی تفہیم کو صحیح نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ قرآن کی تمام مستند تشریحات پہلے سے ہی ہو چکی ہیں۔ لہٰذا آج کے مسلمانوں کو قرآن پر مزید تدبر اور تحقیق کی ضرورت نہیں۔ ان کے مطابق ان کے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ وہ موجود تفاسیر کو سمجھیں اور اس کے نفاذ کی کوشش کریں۔

قرآن کے معاملے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ ہر زمانے کے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنے، اس لیے اس پر غور وفکر کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔ اللہ کے پیغمبر کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں، اس لیے ان کے بعد دین کی کوئی بھی تفہیم حرف آخر نہیں۔ چنانچہ متن قرآن کے معانی کی صحیح تفہیم کے لیے اس پر غور وفکر کے عمل کا جاری رہنا ضروری ہے، ورنہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی بھی مسلک کی تفسیر کو محض اس لیے صحیح مان لینا چاہیے کہ اس کے ماننے والے تعداد میں بہت زیادہ ہیں یا کسی تفسیر کے صحیح ہونے کے لیے کیا یہ کافی ہوگا کہ وہ کسی خاص دور میں لکھی گئی ہو، کیا اس کا

فیصلہ اس بات پر نہیں ہونا چاہیے کہ صرف دلائل کو دیکھا جائے، کیا وہ فی الواقع متن میں کہی گئی بات کی صحیح عکاسی کر رہے ہیں؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خون بہا کی رقم ادا کر کے جان بچ سکتی ہے تو اس آپشن سے غریب کیوں محروم ہے تو اس صورت میں ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خون بہا کی رقم کا بندوبست کرے، یعنی اگر قاتل معافی کا مستحق ہے اور مقتول کے ورثا اس کو معاف کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن وہ رقم کی ادائیگی کے قابل نہیں تو خون بہا کی رقم سرکاری خزانے سے فراہم کی جانی چاہیے۔ پرانے وقتوں میں بھی ایسی ادائیگیاں فرد واحد نہیں، بلکہ وہ پورا قبیلہ ادا کرتا تھا جس سے قاتل تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ اب ریاست کو اپنے ان شہریوں کے لیے جو اس بوجھ کو اٹھانے کے متحمل نہیں ہیں، ان کے لیے قبیلہ کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ ہماری پارلیمنٹ کو اس سلسلے میں قانون سازی کرنی چاہیے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امین احسن اصلاحی

سنت خلفاے راشدین

سوال: آپ نے اپنے مضمون ''حدیث، سنت، محدثین'' میں ''سنت کو معلوم کرنے کے ذرائع'' میں خلفاے راشدین کے تعامل کو بھی گنوایا ہے اور دلیل میں یہ فرمودۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیا کہ 'علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین'۔ سو یہ قول کہاں سے ماخوذ ہے اور آج کل ''خلفاے راشدین'' کی اصطلاح سے ذہن جن خلفاے اربعہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، کیا خود آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معہود ذہنی بھی یہی تھا۔ نیز کیا خلفاے راشدین کے الفاظ اس دور میں اسی طرح مستعمل تھے؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جواب: 'علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین' محض کسی ''عبارت'' کا ایک ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک طویل حدیث نبوی کا ایک حصہ ہے جو احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے مشکٰوۃ کے باب ''الاعتصام بالکتاب والسنہ'' میں، عرباض بن ساریہ سے بہ ایں الفاظ نقل ہوئی ہے:

عن العرباض بن سارية قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة زرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقال رجل: يا رسول الله، أكان هذه موعظة مودع؟ فأوصنا، فقال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن كان عبدًا حبشيًا فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى إختلافًا

''عرباض بن ساریہ سے روایت ہے، انھوں نے یہ بیان کیا کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایک نہایت موثر خطبہ دیا جس سے آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔ مجمع میں سے ایک شخص بولا: حضور، یہ تو ایک وداعی خطبہ معلوم ہوتا ہے تو ہمیں کچھ وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اپنے صاحب امر کی بات ماننے

كثيرًا فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة. (رقم ۱۶۵)

اور اس کی اطاعت کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تمھارا صاحب امر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے، وہ اب اور تب میں بڑا فرق محسوس کریں گے تو تم میری سنت کی اور خلفاے راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی کرنا، اس کو مضبوطی سے تھامنا اور دانت سے پکڑنا اور دین میں جو نئی باتیں گھسائی جائیں، ان سے خبردار رہنا، کیونکہ ہر ایسی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس حدیث کو دیکھ لیجیے 'سنة الخلفاء الراشدين' کے الفاظ صاف موجود ہیں، بلکہ 'راشدین' کے بعد ایک لفظ 'مهديين' کا اضافہ بھی ہے۔ اس میں نہایت واضح الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ خلفاے راشدین کی سنت کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اپنی سنت ہی کی طرح اس پر قائم رہنے کی وصیت بھی فرمائی ہے۔

رہا یہ سوال کہ جس طرح آج 'خلفاے راشدین' کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے خلفاے اربعہ مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب حضور نے یہ الفاظ استعمال فرمائے تو کیا اس وقت بھی لوگوں نے ان الفاظ سے خلفاے اربعہ ہی کو سمجھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کی نوعیت ایک واضح اور قطعی حکم کی نہیں ہے، بلکہ، جیسا کہ خود حدیث سے واضح ہے، ایک پیشین گوئی اور ایک وصیت کی ہے اور خلفاے راشدین سے یہاں متعین اور مخصوص اشخاص مراد نہیں ہیں، بلکہ آپ کے وہ جانشین مراد ہیں جو آپ کے بعد آپ کی امت کی زمام کار اپنے ہاتھوں میں سنبھالیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طریقہ پر اپنے فرائض انجام دیں گے۔ اس لفظ کے اندر وہ تمام خلفاے راشدین داخل ہیں جو آپ کی امت کے اندر پیدا ہوئے یا آیندہ پیدا ہوں گے اور حکومت کے فرائض صحیح اسلامی طریق پر انجام دیں گے۔

اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں اپنے بعد کسی خلافت کے قیام یا خلفا کے کسی سلسلہ کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا تھا تو ہمارے نزدیک یہ گمان بالکل غلط ہے۔ اول تو آپ جس دین حق کے داعی تھے، وہ دین کوئی رہبانیت کا دین نہیں تھا کہ وہ کسی سیاسی نظام کے تصور سے بالکل خالی ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ روز اول ہی سے ایک اجتماعی اور سیاسی نظام کے تقاضوں کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس نے عملاً ایک مکمل سیاسی نظام کی صورت اختیار بھی کر لی تھی اور اس نظام کے اصول ومبادی قرآن میں بھی بیان ہو گئے تھے اور

خود حضور نے بھی ان کی وضاحت فرما دی تھی۔ ثانیاً، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت کے مستقبل کا پورا نقشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی دکھا دیا گیا تھا۔ چنانچہ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو اپنی اجتماعی زندگی میں جن مراحل اور جن انقلابات سے گزرنا تھا، اس کے بہت سے پہلو آپ کے علم میں تھے، آپ جانتے تھے کہ آپ کے بعد مسلمانوں میں کس قسم کا نظام قائم ہوگا، اس کے بعد کیا انقلاب ہوگا اور پھر اس انقلاب کے بعد کیا حالات پیش آئیں گے۔ حد یہ ہے کہ خلفاے اربعہ میں سے جس جس کو جس جس طرح کے حالات پیش آنے تھے، حضور نے ان کی طرف بھی اپنی پیشین گوئیوں میں اشارات فرمائے ہیں۔ ہم یہاں بعض حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ آپ اپنے بعد قائم ہونے والے نظام کی نوعیت سے بھی باخبر تھے اور ان انقلابات سے بھی واقف تھے جن سے اس نظام کو سابقہ پیش آنا تھا:

عن أبي عبيدة و معاذ بن جبل عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم قال: إن هذا الأمر بدأ نبوة و رحمة، ثم يكون خلافة و رحمة، ثم ملكًا عضوضًا، ثم كائن جبرية و عتوًا وفسادًا في الأرض يستحلون الحرير والفروج والخمور يرزقون على ذالك وينصرون حتى يلقوا اللّٰه. رواه البيهقي في شعب الايمان. (مشکوٰۃ، رقم ۵۳۷۵)

''حضرت ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نظام کا آغاز نبوت اور رحمت کی شکل میں ہوا ہے، اس کے بعد یہ خلافت اور رحمت کی صورت اختیار کرے گا، پھر ایک مستبد بادشاہی بن جائے گی۔ پھر قہر و جبر اور فساد فی الارض بن کر رہ جائے گا۔ لوگ ریشم، زنا اور شراب کو جائز کر لیں گے۔ اس کے باوجود انھیں روزی بھی ملتی رہے گی اور یہ فتوحات بھی حاصل کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کے ہاں حاضر ہوں۔''

ایک دوسری حدیث میں بعد کے انقلابات اور ادوار کی تفصیل اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن حذيفة قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم: تكون النبوة فيكم ما شاء اللّٰه أن تكون، ثم يرفعها اللّٰه تعالٰى، ثم تكون خلافة على منهاج النبوة ما شاء اللّٰه أن تكون، ثم يرفعه اللّٰه تعالٰى، ثم تكون

''حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں نبوت باقی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ اس کو باقی رکھنا چاہے۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ اٹھا لے گا۔ اس کے بعد نبوت کے طرز پر خلافت قائم ہوگی اور وہ قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ملكًا عاضًا فتكون ما شاء الله أن تكون، ثم يرفعها الله تعالٰی، ثم يكون ملكًا جبرية فتكون ما شاء اللّٰه أن تكون، ثم يرفعها اللّٰه تعالٰی، ثم تكون خلافة علٰی منهاج النبوة، ثم سكت .... رواه احمد والبيهقی فی دلائل النبوة. (مشکٰوۃ، رقم ۵۳۷۸)

پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لے گا۔ پھر مستبد بادشاہی بن جائے گی اور وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لے گا، پھر جبر و قہر کی حکومت قائم ہوگی اور وہ قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لے گا۔ اس کے بعد نبوت کے طرز پر پھر خلافت قائم ہوگی، یہاں تک بیان کرنے کے بعد حضور خاموش ہو گئے ...۔''

اس حدیث میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بعد پیدا ہونے والے بگاڑ کے بعد پھر ایک دور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی پیشین گوئی ہے۔ اس کا مصداق ہمارے سلف صالحین نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور کو قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حضور کے سکوت فرمانے سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ اس کے بعد بھی بناؤ اور بگاڑ کے اس طرح کے دور امت میں آتے رہیں گے۔ چنانچہ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ اس کے بعد اچھے حکمران بھی پیدا ہوئے اور برے بھی پیدا ہوئے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ آیندہ کبھی اس دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور نہیں آئے گا۔ نہ نقل میں ہمیں کوئی ایسی چیز ملتی ہے جو اس کا دروازہ بند کرتی ہو اور نہ عقلاً اس کا آنا کسی طرح محال اور مستبعد قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس مضمون کی ایک دوسری حدیث انھی حضرت حذیفہ سے مسلم و بخاری، دونوں کے حوالہ سے مشکوٰۃ کی کتاب الفتن میں اس طرح نقل ہوئی ہے۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں:

''لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت پوچھا کرتے تھے، لیکن میں فتنوں کی بابت سوال کیا کرتا تھا کہ مبادا کسی فتنہ سے سابقہ نہ پڑ جائے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ، ہم جاہلیت اور فتنہ کی تاریکی میں مبتلا تھے کہ اللہ نے ہمیں یہ (نبوت کی) نعمت بخشی۔ کیا اس خیر کے بعد پھر بگاڑ پید ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ اس بگاڑ کے بعد پھر خیر کا دور بھی آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، لیکن اس خیر میں کچھ کدورت بھی ملی ہوئی ہوگی۔ میں نے پوچھا: اس کدورت کی نوعیت کیا ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: لوگ میری سنت اور میرے طریقہ کے خلاف روش اختیار کریں گے۔ ان سے معروف اور منکر، دونوں طرح کی باتیں صادر ہوں گی۔ میں نے دریافت کیا: کیا اس خیر کے بعد شر کا ظہور ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں.....''

(بخاری، رقم ۳۴۱۱۔ مسلم، رقم ۱۸۴۷)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور سے متعلق یہ حقیقت بھی واضح تھی کہ اس دور میں اگرچہ خلیفہ تو راشد ہوگا، لیکن وقت کے حکام اور عوام کی حالت شر کی کدورت سے پاک نہیں ہوگی، ان کے اندر معروف اور منکر، دونوں طرح کی باتیں پائی جائیں گی۔

بعض احادیث میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے پہلے دور کی مدت بھی حضور نے متعین فرما دی۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں احمد، ترمذی اور ابوداؤد کے حوالے سے یہ روایت نقل ہوئی ہے۔

الخلافة ثلاثون سنة، ثم يكون ملكا. "خلافت تیس سال قائم رہے گی، اس کے بعد بادشاہی قائم ہو جائے گی۔" (رقم ۵۳۹۵)

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ۲ سال رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۰ سال خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بالترتیب ۱۲ اور ۶ سال خلیفہ رہے، یہ کل ملا کر تیس سال ہوتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان احادیث سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ حضور کا ذہن، جیسا کہ عرض کیا گیا، نہ خلافت کے تصور سے خالی تھا اور نہ خلفا کے تصور سے۔ آپ جس دین فطرت کو لے کر آئے تھے، اس کے فطری تقاضوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ نیز، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، آپ کے بعد جس طرح کا سیاسی و اجتماعی نظام امت میں قائم ہونا تھا، اس کے اصول خود قرآن میں بھی بتا دیے گئے تھے، اور ان کی تفصیلات خود حضور نے بھی مختلف طریقوں سے لوگوں کو سمجھائی تھیں۔ علاوہ ازیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام انقلابات کا مشاہدہ بھی کرا دیا تھا جو آپ کی امت کی اجتماعی و سیاسی زندگی میں پیش آنے والے تھے، یہاں تک کہ یہ بھی آپ پر واضح کر دیا گیا تھا کہ آپ کے بعد جو لوگ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے، وہ اس فرض کی ادائیگی میں کن صلاحیتوں کا ثبوت دیں گے اور ان کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ اگر خوف طوالت مانع نہ ہوتا تو ہم یہ تفصیلات بھی یہاں پیش کر دیتے۔

جب ساری باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن تھیں تو اس بات پر کیوں تعجب کیا جائے کہ آپ نے 'علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین' کے الفاظ کے ساتھ خلفا کے دور کے ظہور میں آنے سے پہلے اس کا تعارف کرایا اور ان کی سنت کی پیروی کرنے کی مسلمانوں کو وصیت فرمائی؟

آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا ذہن ان الفاظ کو سن کر ان سے تعین کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں منتقل ہو

سکتا تھا۔ لیکن حضور کے ارشاد میں نہ یہ تعین پیش نظر ہے اور نہ یہ الفاظ اس تعین کے متقاضی ہی ہیں اور نہ اصل وصیت ہی کے نقطۂ نظر سے یہ تعین کچھ ضروری ہے۔ عام مسلمانوں کا اس سے صرف اتنا سمجھ لینا اصل مقصد کے لحاظ سے بالکل کافی تھا کہ آپ کے بعد امت کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لیے خلفا ہوں گے جن میں راشد بھی ہوں گے اور غیر راشد بھی۔ اور ہمیں ان میں سے راشدین کی سنت کی پیروی کرنی ہے اور غیر راشدین کے ساتھ شریعت کے مقرر کردہ حدود کے اندر معاملہ کرنا ہے۔

خلفاے راشدین کے تعامل کے سنت ہونے کا مفہوم

یہاں میں تھوڑی سی وضاحت اس بات کی بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ خلفاے راشدین کے تعامل کے سنت ہونے کا مفہوم کیا ہے اور اس کو سنت کا درجہ دینے کی وجہ کیا ہے؟

میں نے اپنے اصل مضمون میں سنت اور حدیث میں جو فرق بیان کیا ہے، وہ یہاں بھی ملحوظ رکھیے۔ میں نے بتایا تھا کہ حدیث تو ہر وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے ساتھ کی جائے، لیکن سنت صرف وہی چیزیں ہیں جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اہتمام والتزام کیا ہو، جن کی اہمیت کے ساتھ تاکید فرمائی ہو، جن کی حیثیت آپ کی زندگی میں معلوم ومعروف حقیقتوں کی ہو، جن کو حضور نے انفرادی یا اجتماعی زندگی کے لیے ایک رویہ، ایک مسلک اور ایک پروگرام کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے رکھا ہو اور اسی حیثیت سے ان پر عمل کیا اور کرایا ہو۔

اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد جب آپ خلفاے راشدین کی سنت کے معاملہ پر غور فرمائیں گے تو جہاں تک ان کے انفرادی اقوال وآرا کا تعلق ہے، وہ ان کی سنت کی حیثیت حاصل نہیں کریں گے، بلکہ ان کی صرف وہی چیزیں ان کی سنت کی حیثیت حاصل کریں گی جو ان کے سامنے ایک مسئلہ کی حیثیت سے آئی ہوں اور انھوں نے ان پر اپنے وقت کے اہل علم اور ارباب حل وعقد سے مشورہ حاصل کر کے ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہو یا بطور خود اپنے کسی فیصلہ یا اجتہاد کو نافذ کیا ہو اور ان کے زمانہ کے اہل علم وتقویٰ نے اس کو بغیر کسی نکیر کے قبول کیا ہو اور وہ چیز معمول بہ بن گئی ہو۔

حضرات خلفاے راشدین کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی ایسا معاملہ آتا جس کے بارے میں قرآن یا سنت نبوی میں کوئی تصریح موجود نہ ہوتی تو اس میں اہل علم وتقویٰ سے مشورہ کرتے۔ مشورے کے بعد جب

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ایک بات طے کر لیتے تو وہ چیز سب کے نزدیک متفق علیہ بن جاتی۔ پھر اگر اس کو پورے ملک کے لیے ایک قانون کی حیثیت دے دینے کی ضرورت داعی ہوتی تو وہ چیز پورے ملک کے لیے ایک قانون کی حیثیت حاصل کر لیتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اسلام میں اجماع جو حجت مانا گیا ہے تو اس کی معیاری شکل بھی درحقیقت یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''ازالۃ الخفا'' میں فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وتحقیق آنست کہ تا زمان حضرت عثمان اختلاف در مسائل فقہیہ واقع نمی شد در محل اختلاف بخلیفہ رجوع می کردند و خلیفہ بعد مشاورت امرے اختیار می کرد د ہماں امر مجمع علیہ می شد۔''

''اور تحقیق یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک فقہی مسائل میں کسی مستقل اختلاف کی صورت پیدا نہیں ہونے پائی۔ اگر کوئی اختلافی مسئلہ سامنے آتا تو اس کے لیے خلیفۂ وقت کی طرف رجوع کرتے۔ خلیفہ اپنے وقت کے اہل حل و عقد سے مشورہ حاصل کرنے کے بعد اس معاملہ میں کوئی پہلو اختیار کر لیتا اور وہی بات سب کے نزدیک متفق علیہ بن جاتی۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

میرے نزدیک سنت خلفا سے مراد ان کے اسی طرح کے اجماعی فیصلے ہیں، نہ کہ ان کی انفرادی رائیں۔ اب میں بتاؤں گا کہ میں خلفاے راشدین کے اسی طرح کے طے کردہ مسائل کو کیوں سنت کا درجہ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

اس کی پہلی وجہ تو وہ حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خلفاے راشدین کی سنت کو سنت کا درجہ بخشا ہے اور اسی حیثیت سے مسلمانوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت اور وصیت فرمائی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اجماع ہمارے ہاں ایک شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے اور اجماع کی سب سے اعلیٰ قسم اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہی ہو سکتی ہے جس کی مثالیں خلفاے راشدین کے عہد میں ملتی ہیں۔ اول تو یہ خیر القرون کے لوگوں کا اجماع ہے جن کی حق طلبی و حق کوشی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ ثانیاً، اسی مبارک دور میں عملاً یہ شکل اختیار کی جا سکی کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آیا تو اس میں وقت کے اہل علم اور صالحین کی رائیں معلوم کی گئیں اور پھر ایک متفق علیہ بات طے کر کے ایک خلیفہ راشد نے اس کو جاری و نافذ کیا اور سب نے اس پر بغیر کسی اختلاف و اعتراض کے عمل کیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ابتدا سے خلفاے راشدین کے تعامل کو ملت میں ایک مستقل شرعی حجت کی حیثیت دی گئی ہے۔ سعید ابن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو ایک

اصولی چیز کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو ایک مستقل جگہ حاصل ہے۔ یہی اعتماد ہر مسلمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلوں پر ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو فقہ مالکی ہو یا فقہ حنفی، ہر ایک کے اندر خلفاے راشدین کے تعامل کو سنت ہی کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ دین کی تکمیل اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہے، لیکن امت کی اجتماعی زندگی میں اس کے مضمرات کا پورا پورا مظاہرہ حضرات خلفاے راشدین کے ہاتھوں ہوا۔ انھی کے مبارک دور میں اسلام کے تمام ادیان پر غلبہ کا قرآنی وعدہ پورا ہوا اور اسلامی شریعت کے بہت سے احکام کا انطباق زندگی کے معاملات میں عملاً متعین ہوا۔ اس پہلو سے خلفاے راشدین کا دور گویا عہد رسالت ہی کا ایک ضمیمہ ہے اور ہمارے لیے وہ پورا نظام ایک مثالی نظام ہے جو ان کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوا۔ پس اس دور میں جو نظائر قائم ہو چکے ہیں، وہ ہمارے لیے دینی حجت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے لیے ان سے انحراف جائز نہیں ہے۔ اس کلیہ سے اگر کوئی چیز مستثنیٰ ہو سکتی ہے تو صرف وہ چیز ہو سکتی ہے جو مجرد کسی وقتی مصلحت کے تحت انھوں نے اختیار فرمائی ہو۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

O

مجھ کو کیا غم ہے، خدا کے مہرباں رکھتا ہوں میں
واسطہ تنہا یہی اک درمیاں رکھتا ہوں میں

تیری آغوش کرم بھی ، سایۂ رحمت بھی ہے
اب یہاں اپنے زمین و آسماں رکھتا ہوں میں

علم و دانش کی طلب ، صدق و صفا کی آرزو
گر قبول افتد، یہی اک ارمغاں رکھتا ہوں میں

ساتھ ہے کوئی اگر تو ایک ذوق جستجو
ہے یہی جو ساز و برگ کارواں رکھتا ہوں میں

تو اگر سمجھے تو ہے اب بھی خرد کا پاسباں
وہ کلام حق کہ جس کو حرز جاں رکھتا ہوں میں

مجھ کو ارزانی ہوئی ہے گل فروشوں کی زباں
اپنے سینے میں مگر آتش فشاں رکھتا ہوں میں

جب حریفوں کا ہنر دشنام ہے تو کیا کہوں
ہاتھ میں گرچہ قلم، منہ میں زباں رکھتا ہوں میں

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org